اسلام اور اکیسویں ۲۱ صدی کا چیلنج

اسرار عالم

دار العلم، نئی دہلی

سلسلہ مطبوعات۔۱

عالم اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج

مصنف: اسرار عالم

ISLAM AUR IKKISWEEN SADI KA CHALLENGE

By Asrar Alam

طبع اول : اپریل ۱۹۹۳

طبع مکرر : اکتوبر ۱۹۹۶، دسمبر ۱۹۹۷

طبع مکرر : نومبر ۱۹۹۸ (مطابق: رجب المرجب ۱۴۱۹ ہجری)

طبع مکرر : فروری ۲۰۰۰

Published by

DAR -AL- ILM, NEW DELHI

ہدیہ: -/۳۰ روپے

Distributed by:

Danish Book Distributors

1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel, Pataudi House,
Darya Ganj, New Delhi-110002 Ph: 3289268

مصنف کی تصانیف

- اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج
- عالم اسلام کی سیاسی صورت حال
- بین الاقوامی ایجنسیوں کا تعارف اور ان کا طریقہ کار
- عالم اسلام کی اقتصادی صورت حال
- عالم اسلام کی روحانی صورت حال
- بند تو
- عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال
- یا ساری الجبل! کیا دجال کی آمد آمد ہے؟
- عالم اسلام کی منہجی و مقصدی صورت حال
- ماکان ومایکون

Printed at: Asila Offset Printers, New Delhi - 110002

عرضِ ناشر

اکیسویں صدی، اسلام کے غلبہ اور اظہار کی صدی ہے۔ اب دنیا کے سامنے اسلام کے سوا کوئی متبادل نظریہ حیات نہیں ہے۔ اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کا فسوں ٹوٹ چکا ہے اور پوری دنیا مغربی تہذیب کے بادِ سموم سے نیم جاں ہو کر سرچشمہ حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ لیکن شیطانی قوتیں انسانیت کو گمراہی میں مبتلا رکھنے کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال پوری شدت کے ساتھ کر رہی ہیں اور بنی آدم اور صراطِ مستقیم کے درمیان مصنوعی فاصلے اور رکاوٹیں کھڑی کر رہی ہیں۔

ایک کامیاب مصنف اپنے عہد کے سوالیہ نشانوں کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اپنے علم و آگہی کی روشنی میں ان کا جواب دینے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

جناب اسرار عالم کی نظر تاریخ کے مدوجزر پر مرکوز رہی ہے اور وہ موجودہ صدی کے حادثات و واقعات اور آئندہ صدی میں رونما ہونے والے اثرات پر ایک عارفانہ نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کی یہ بصیرت قرآن و سنت کے مطالعہ کا حاصل ہے۔ مستقبل کے بارے میں حتمی علم اللہ رب العزت کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ انسان زیادہ سے زیادہ قرآنی اشارات کی روشنی میں ایک اندازہ ہی کر سکتا ہے۔ اور یہ اندازہ اسی قدر درست اور صحیح ہوگا جس قدر قرآن و سنت پر گہری نظر ہوگی۔ یہ حکمت و بصیرت کلام اللہ کا فیضان ہے۔ اور جسے یہ حکمت و بصیرت ملی یقیناً اسے ایک بڑی نعمت ملی ہے۔

جناب اسرار عالم کی یہ کتاب حالات پر فکر انگیز تجزیہ ہے اور مسلم نوجوانوں کو حرکت و عمل پر ابھارنے کی ایک کامیاب کوشش بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ مصنف کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور مسلمانوں کے لیے اسے نفع بخش بنائے۔ اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہے تو ہم سب کو معاف فرمائے اور اس کے نقصانات سے محفوظ رکھے۔ آمین

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین ۔ امّا بعد :

زیرِ نظر کتاب درحقیقت سنہ ۱۹۸۸ء کے اواخر میں لکھی گئی ۔ اس کی اشاعت بوجوہ اب تک نہیں ہو سکی ۔ عام اردو کتابوں کی اشاعت میں جو دقتیں پیش آتی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں ۔ سنجیدہ اور دقیق مضامین سے متعلق تصنیفات کا معاملہ تو اور بھی دگرگوں ہے ۔ اگر یہ کتاب انگریزی زبان میں لکھی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ کئی سال قبل چھپ چکی ہوتی ۔

اس کتاب کے مخاطبین بنیادی طور پر وہ افراد ہیں جو معاصر مغربی تہذیب کی ہمہ گیری کے باوجود اسلام سے غیر معمولی وابستگی رکھتے ہیں ۔ اسلام سے ان کی وابستگی انہیں اس بات کے لیے مجبور کرتی ہے کہ وہ معاشرے کے جملہ مسائل کا حل اسلام کی ہدایت کی روشنی میں دریافت کریں ۔ باطل کا سحر انھیں متزلزل تو نہیں کرتا لیکن معاصر عہد میں اس کی ہمہ گیری انھیں گوناگوں طریقے سے پریشان ضرور کرتی ہے ۔ ایسے افراد عموماً غور و فکر کے عادی اور نکتہ رس ہوتے ہیں لہٰذا کتاب میں غیر ضروری تفصیل سے حتی الوسع اجتناب کیا گیا ہے ۔

یہاں صرف ایک بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ کتاب کی تصنیف اور اشاعت کی درمیانی مدت میں دنیا میں ایسے کئی غیر معمولی واقعات رونما ہوئے ہیں جن

کا کتاب کے مضمون سے براہِ راست تعلق ہے۔ پہلا واقعہ سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں اشتراکیت کا خاتمہ ہے اور دوسرا خلیج کی جنگ۔ دونوں ہی واقعات غیر معمولی ہیں اوران کے اثرات زندگی کے ہر شعبے پر مرتب ہو رہے ہیں۔ کتاب سے ان دونوں واقعات کا براہِ راست تعلق اس اعتبار سے ہے کہ جو نقوش سنہ ۱۹۸۸ء میں انتہائی دھندلے تھے وہ اب ان دونوں واقعات کے نتیجے میں واضح تر ہوتے جا رہے ہیں۔

اسی دوران مغرب میں اور بطور خاص امریکہ میں فوکو یاما اور دیگر مفکرین نے خاتمہ کی بحث کا آغاز کیا جو کتاب کا بنیادی نکتہ ہے۔

امید ہے یہ حقیر سی کوشش قارئین کو مزید غور و فکر کی طرف مہمیز کرے گی۔

آخر میں برادرم محمود عالم صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کے تعاون اور توجہ سے اس کی اشاعت ممکن ہو سکی۔

اسرار عالم　　　　اپریل سنہ ۱۹۹۴ء

دہلی۔

اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج

اِن دنوں بعض مخصوص الفاظ اور موضوعات زبان زد خاص وعام ہیں۔ کیا دانشور کیا عامی۔ ہر جگہ ان کے چرچے ہیں۔ مثلاً اکیسویں صدی، نئی نسل، نئی قدریں، نیا زمانہ، پرانی نسل، پرانی قدریں پرانا زمانہ وغیرہ۔

حتیٰ کہ اب اس طرح کے الفاظ کی بازگشت ان حلقوں میں بھی نامانوس نہیں جنھیں ہم تحریک اسلامی کا حلقہ کہہ سکتے ہیں۔ بلاشبہ دیگر افراد اور حلقوں سے جو بات یہاں مختلف نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں یہ گفتگو یا بحث عموماً اسلام کے لاحقے یا سابقے کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

بعض سوالات نہایت درجہ سنجیدگی سے پوچھے جاتے ہیں۔ مثلاً نئی صدی آرہی ہے نئی نسل کو کیا کرنا چاہیے؟ نئی نسل اور نئی صدی کے لئے کیا لائحہ عمل ہو؟ اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لئے کیا کیا تیاری ضروری ہے؟

جو افراد روایتی ملی احساس زیادہ رکھتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ نئی صدی میں داخلے کے لئے مسلمانوں اور مسلم ملکوں کے پاس کیا کیا ہونا چاہیے؟ ابھی تک ہم کیا کیا حاصل کر چکے ہیں اور مزید کیا درکار ہے؟ کن کن شعبوں میں ہم پس ماندہ ہیں اور اسے دور کرنے کے لئے ہمیں کیا کیا کرنا ہے؟

ان سوالات و اضطرابات اور ان کے پس منظر پر جس قدر غور کیا جاتا ہے یہی بات نظر آتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ہزار درجہ جذبۂ مخلصانہ کے باوجود اس فکر میں نقالی، کم نگاہی یا سطحیت کارفرما ہے۔ کیونکہ 'بیسویں صدی سے اکیسویں صدی' کی مذکورہ فکر اور اس کے لوازمات دراصل اُس اساس پر قائم ہیں جس کا ظہور عصر حاضر میں نشاۃ الثانیہ کے نام سے مشہور ہے جس کے تحت الانسان من حیث

النوع جہل سے علم اور تاریکی سے روشنی کی طرف گامزن ہے ۔ یہ فکر اپنی روح کے اعتبار سے جاہلی ہے۔
اور اس کی اساس وہ جاہلیت خالصہ ہے جس کے تحت :

(۱) حیاتِ انسانی روئے زمین پر مادے کی غیر معمولی، لامعلوم مگر اتفاقی اور حادثاتی عمل کا نتیجہ ہے۔
اس میں کسی خالق یا صانع کی کاریگری اور منشا' کا کوئی دخل نہیں۔ یہ ایک آزاد، بے لگام اور
بے سنگ و میل سفر ہے ــــ ماضی اور مستقبل کی یکساں لامعلوم تاریکیوں کے مابین۔

(۲) انسانی عقل فیصلہ کرنے' خیر و شر کے مابین آزادانہ تمیز کرنے'، مفید و غیر مفید کے مابین
فرق کرنے' اور اپنے لئے قدریں متعین کرنے کے اعتبار سے کافی ہے اور یہ عقلِ عقلِ کل کا حکم رکھتی ہے۔

بلاشبہ یہ جاہلی فکر کوئی نئی چیز نہیں۔ ربانی فکر کے مقابلے میں شیطانی فکر ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔
ہاں عصر حاضر میں اس کا ظہورِ جدید نشاۃ الثانیہ کہلاتا ہے جو اب گویا نقطۂ کمال تک پہنچ رہا ہے ۔
بلاشبہ قابلِ غور ــــ اور بے حد تشویش ناک ــــ وہ فتنۂ جدید ہے جو ان افراد و اجتماعیات کے
درمیان سر ابھار رہا ہے یا جس کا قوی اندیشہ ہے جو اس بات کا عزم لے کر اٹھے ہیں کہ مغرب کے طاغوتی نظام
کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ اکیسویں صدی کی اور اس کی تیاریوں سے متعلق بعض تحریکی حلقوں میں صدائے بازگشت
در اصل اسی کی غمازی کرتی ہے۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں کہ جاہلیت خالصہ کی فکر اور
اس کی ہمہ گیری کس درجۂ کمال کو پہنچ رہی ہیں کہ دوست تو دوست اب دشمن بھی وہی راگ الاپ رہے ہیں۔
کبھی کبھی انسان دشمن سے طول عرصے تک لڑتے لڑتے یا اس سے حد درجہ مرعوب ہو جانے کے سبب ــــ
(بلاشبہ لاشعوری طور پر) دشمن کی طرح سوچنا، چلنا، بولنا اور لڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اور یہ بھول جاتا ہے کہ
فی الواقع اس کی کوئی الگ سوچ، بولی اور چال ڈھال تھی۔
یہ فتنۂ جدید در اصل سوچ کی وہ رَو ہے جس کے تحت "اسلامی افراد اور اجتماعیات مغربی جاہلی
نظام اور اس کی اساس میں جاہلی قدروں کی مخالفت اور انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی عملی جدوجہد میں جاہلی
نظام کی ظاہری عمارت کو ڈھا کر اس کے آثار اور اس کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکے بغیر (لاشعوری طور پر) انھیں
قدروں کی بنیادوں پر اسلامی نظام کو استوار کرنے کی عملی جدوجہد کی طرف پیش قدمی کرنے لگی ہیں یا اس کا
ارادہ رکھتی ہیں"۔
بظاہر یہ علامت ہے ترقی معکوس کی۔ اِلّا ماشاءاللہ۔

گفت رومی ہر بنای کہنہ کا بادان کنند
می ندانی اول آن بنیاد را ویران کنند

ظاہر ہے اس کا لازمی نتیجہ وہی سب کچھ ہو سکتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

کیں رہ کہ می روی بتر کانست

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیونکر ہوا ؟ آخر اس کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں ؟
اس سلسلے میں فی زمانہ تین ہی باتیں نظر آتی ہیں ۔ جنھیں اسباب قرار دیا جا سکتا ہے ۔

(۱) تمسک بالکتاب والسنۃ کا حق ادا نہ ہونا ۔

دور سے خوش گمان ہونے، حسن ظن کے ساتھ کسی قول و عمل کی غیر ضروری تاویل کرنے کی بجائے نزدیک جاکر بنظر غائر دیکھنے اور پرکھنے سے یہ بات بسا اوقات سامنے آتی ہے کہ عصر حاضر میں بعض ملکوں کی تحریکات اسلامی میں تمسک بالکتاب والسنۃ کے مطلوبہ معیار کا لحاظ رکھنے کے تعلق سے کوتاہی ہو رہی ہے ۔ اور بعض تحریکی افراد و اجتماعیات اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے مخلصانہ ہی سہی مگر عصر حاضر کی بعض بظاہر غیر معمولی موثر چیزوں، باتوں، کارکردگیوں اور اداروں سے متاثر ہوکر کتاب و سنت اور اس کے احکامات کے تعلق سے دور از کار تاویلات کر کے ہدایت حاصل کرنے کی طرف مائل نظر آتی ہیں ۔ نتیجتاً بہت سارے استنباط اور انطباقات نہایت درجے سطحی ہوتے ہیں جو مناسب نہیں ۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے :

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، قالت : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌ" (متفق علیہ)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارے اس امر (دین) میں جس نے کوئی ایسی بات پیدا کی جو اس (دین میں) سے نہیں تو وہ (قابل) رد ہے ۔"

اور امام مسلم روایت کرتے ہیں :

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ فَهُوَ رَدٌّ ۔

مغرب کی نقالی ہیں دور از کار تاویلات کی جاتی ہیں۔ استصلاح اور اجتہاد کی جا اور بے جا دہائی دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے یا کم از کم سمجھا جاتا ہے کہ عہد نبوی سے طویل بُعد زمانی کے سبب کسی حکم پر روح کے اعتبار سے عمل کرنا تو ممکن ہے یعنی (In spirit) تو عمل ہو سکتا ہے لیکن لفظ بہ لفظ یعنی (Verbatim) عمل محال ہے در آنحالیکہ بُعدِ زمانی اور تبدیلی شئون کے باوجود عہد نبوی سے آج تک اور آج سے تا قیامت زمان و مکان میں تبدیلی تو ممکن بلکہ لازمی ہے لیکن وہ تبدیلی بنیادی نوعیت کی نہیں ہوگی اور نہ ہو سکتی ہے۔ بنیادی تبدیلی سے مراد صورتحال کا وہ انقلاب ہے کہ نظام عدل (قرآن و سنت) اپنی مجملات اور تفصیلات میں (in Spirit یا In words) ناممکن العمل ہو جائے۔

حضرت جابرؓ سے امام مسلم روایت کرتے ہیں :

بُعثتُ أنا والساعة کھاتین ویقرن بین أُصْبُعَیہِ السبابة والوسطیٰ.... (صحیح مسلم کتاب الجمعہ)	ترجمہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری بعثت اور قیامت یوں ہیں (اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا لیا یعنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کو)

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس پوری مدت میں امتداد زمان تو ممکن ہے لیکن اسے کسی حیثیت سے بنیادی تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہو جاتی ہے جسے حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں :

کان الاعراب اذا قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألوہ عن الساعة، متی الساعة، فنظر الی احدث انسان منھم فقال ان یعش ھذا لم یدرکہ الھرم قامت علیکم ساعتکم۔ (مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعة)	ترجمہ: ایک دفعہ کچھ اعرابی آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے واقع ہونے سے متعلق سوال کرتے کہ وہ کب آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے سب سے جوان شخص کی طرف دیکھا اور فرماتے کہ اگر یہ شخص جیتا رہا تو بوڑھا ہونے سے قبل دیکھ لے گا کہ تم لوگوں پر تمہاری قیامت قائم ہو گئی ہے

اغلباً یہی سبب ہے کہ امام بخاری مذکورہ بالا حدیث روایت کرنے سے قبل باب باندھ کر ایک مخصوص آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب ان اللہ علی کل شئ قدیر	ترجمہ : باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ' میری بعثت اور قیامت یوں ہیں (یعنی ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہیں) اور قیامت کا معاملہ بس ایسا (جھٹ پٹ) ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی۔ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

(بخاری : کتاب الرقاق باب بعثت انا والساعۃ کھاتین)

مزید ازیں احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اس مدت میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ممکن ہے یا نہیں۔ ممکن ہے تو کس درجے میں عدم تعمیل کی خواہ لفظاً ہو یا معناً گنجائش ہے تو کس قدر۔ اور یہ کہ کس قدر انحراف بھی قابل مواخذہ ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں :

ویقول : اما بعد ؛ فانہ خیر الحدیث کتاب اللہ ' وخیر الھدیِ ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا ' وکل بدعۃ ضلالۃ...	ترجمہ : اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اما بعد ! سب سے بہتر قول کتاب اللہ یعنی قرآن ہے اور سب سے بہتر قول ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے اور سب سے بری بات اس میں نئی بات پیدا کرنا ہے اور ہر نئی بات یعنی بدعت گمراہی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ)

لہٰذا خود قرآن وسنت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن وسنت ہی معیار خیر وشر ہیں۔ اور ان کے زاویہ (Angles) اور ابعاد (Dimentions) میں کوئی فرق ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان (البقرہ ۱۸۵)	ترجمہ : رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے (ذریعۂ) ہدایت ہے۔ اور حق وباطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

لہٰذا یہ بات قطعاً صحیح نہیں کہ بعد زمانی کے سبب دین کے جملہ احکامات پر لفظاً اور معناً (In words and In spirit) عمل ممکن نہیں۔

بلاشبہ تبدیلی اشئون اور غلبۂ طاغوت کے سبب اسلام پر عمل مشکل تو ہو سکتا ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اشارہ فرمایا ہے :

قال العبادۃُ فی الھرج کھجرۃ الیّ ۔ ترجمہ : ہرج (فتنہ) کے وقت عبادت میری طرف ہجرت کی طرح ہے ۔

(صحیح مسلم ۔ کتاب الفتن باب فضل العبادۃ فی الھرج)

لیکن دین کے جملہ امور پر عمل حیطۂ امکان سے باہر نہیں ہو سکتا ۔ اور جب تک دین حیطۂ امکان سے باہر نہیں انسان اس کا مکلف ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے انسانی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی ہر اعتبار سے پیچیدہ تر بنا دیا ہے اور معاشرت، معاشیات، سیاسیات غرض جملہ پہلوہائے زندگی میں اتنی وسعت اور پیچیدگی واقع ہو گئی ہے کہ قرآن وسنت کی ابتک کی جانے والی تشریحات، تفسیرات، تطبیقات اور تعمیلات عموماً ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں ۔

اگرچہ یہ بڑی جسارت کی بات ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ عہد حاضر میں بیشتر معاملات ایسے ہیں جن سے متعلق قرآن وسنت کی رہنمائی تو دور اجماع صحابہ یا اجماع سلف تک مفقود ہیں لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نہ صرف یہ کہ تمام معاملات پر از سر نو غور کیا جائے اور 'اجتہاد' کیا جائے بلکہ دین کے اصول وفروع میں عہد نبوی سے ابتک چلے آرہے متفق علیہ تعبیرات پر بھی از سر نو غور کیا جائے۔

جہاں تک قرآن وسنت کے اساس ہونے کی بات ہے تو وہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت تک اساس ہے ۔ اور جہاں تک قرآن وسنت سے استعانت اور استفادہ کی بات ہے تو کسی امر کے سلسلے میں حکم ملنے کی صورت میں من چاہی تاویل کی گنجائش نہیں اور سر بسر تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور حکم نہ ملنے کی صورت میں تخریج مناط، تنقیح مناط اور تحقیق مناط کا دروازہ نہ کل بند تھا اور نہ آج بند ہے ۔

(۲) عجلت پسندی :

اس فتنۂ جدیدیت سے متاثر ہو جانے کے پیچھے دوسرا سبب عجلت پسندی نظر آتا ہے۔ بعض اوقات عجلت کے پیچھے شدتِ شوق کا معصومانہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ شدتِ شوق بجائے خود کوئی بری شئے نہیں۔ لیکن بعض اوقات شدتِ شوق بے لگام ہو جاتی ہے اور انسان یا جمعیتیں اپنے فیصلے ایسے امور کو مدِنظر رکھ کر کرنا شروع کر دیتی ہیں جو حقائق کے بجائے مفروضے ہوتے ہیں اور محض شدتِ شوق ان کی ایسی تعبیر کرتی ہے کہ وہ حقائق نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی جرأت و استقامت کی کمی، عزیمت سے فرار اور کبھی دلوں کے امراض عجلت پسندی کی طرف اس طرح مائل کرتے ہیں کہ انسان شدتِ شوق کی تصویر نظر آتا ہے۔

ایک عجلت پسندی تو وہ ہے جو معصومانہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُسے یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ اس کے بندے صبر اور استقامت سے کام لیں اور عجلت پسندی سے باز رہیں خواہ وہ عجلت پسندی اِس اعتبار سے ہو کہ اہلِ حق اپنی دعوت و تبلیغ کو اتمام حجت قرار دیتے ہوئے عذاب کی تمنا کرنے لگیں جیساکہ ارشاد فرمایا گیا :

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم۔ (الاحقاف ۳۵)

ترجمہ : پس اے نبی صبر کرو جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے جلدی نہ کرو۔

یا اس اعتبار سے ہو کہ اہلِ حق طاغوت کے جبر و تشدد سے اس قدر پریشان ہو جائیں کہ نصرت کی تمنا کرنے لگیں۔ جیساکہ حضرت خباب ابن الارت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی :

اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا اَلَا تدعو لنا۔ ترجمہ : اے اللہ کے رسولؐ کیا آپ اللہ سے ہمارے لئے نصرت طلب نہیں کریں گے۔ کیا آپ اللہ سے ہمارے لئے دعا نہیں فرمائیں گے۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلاسا دیتے ہوئے فرمایا تھا :

واللہ لیتمنّ ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ

ترجمہ : قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ وہ اس کام کو ضرور پورا فرمائے گا یہاں تک کہ تم دیکھو گے کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک چلا جائے گا اور اسے کسی کا

والذئب علیٰ غنمہ ولکنکم	خوف نہیں ہوگا سوائے اللہ اور بھیڑیے کا کہ مبادا وہ
تستعجلون (بخاری کتاب الاکراہ)	ان کی بکریوں پر حملہ آور ہو لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔

تو دوسری عجلت پسندی وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے قبیح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا کہ اس کا بندہ اس میں مبتلا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلا تھنوا وتدعوا الی السلم	ترجمہ: سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف
وانتم الاعلون (محمد ۳۵)	مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہوگے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس عجلت پسندی کا تعلق دلوں کے روگ سے ہے۔ لہذا وہ اسے کھول کر بیان فرما دیتا ہے: ارشاد ہے:

انما الحیوۃ الدنیا لعب و	ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی لعب اور لہو ہے۔
لھو وان تومنوا وتتقوا یوتکم	اگر تم ایمان رکھو اور تقویٰ کی روش پر چلتے رہو
اجورکم ولا یسئلکم اموالکم ؕ	تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا اور وہ تمہارے
(محمد ۳۶)	مال تم سے نہ مانگے گا۔

اللہ تعالیٰ اس عجلت پسندی کو ارتداد قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الذین ارتدّوا علیٰ	ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے
ادبارھم من بعد ما تبین	کے بعد اس سے پھر گئے ان کے لئے شیطان نے
لھم الھدیٰ الشیطٰنُ	اس روش کو سہل بنا دیا ہے اور جھوٹی توقعات
سوّل لھم واملیٰ لھم۔ (محمد ۲۵)	کا سلسلہ ان کے لئے دراز کر رکھا ہے۔

۱۔ شیخ زادہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بیّن تعالیٰ ان الدُّنیا وما فیہا من الحظوظ العاجلۃ لا یصلح مانعاً من الاقدام الی الجہاد وما یؤدی الی ثواب الآخرۃ لکونہا بمنزلۃ اللھو واللعب فی سرعۃ زوالھا وان الآخرۃ ھی الحیاۃ الباقیۃ فلا ینبغی ان یکون حب الدنیا وحرص علیٰ ما فیہا من اللذات والشہوات سبباً للجبن عن الغزو والتخلف عن الجہاد۔" (حاشیۃ زادہ علی البیضاوی ۳/ ۳۵۲)

لہذا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سچے مومنین منافقین کی اس روش سے باز رہیں اور عجلت پسندی کے اس مظاہرے سے خود کو دور رکھیں ۔ وہ تنبیہہ فرماتا ہے :

ولا تبطلوا اعمالکم (محمد ۳۲) ترجمہ : اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو۔

لہذا حکم ہوتا ہے کہ ڈٹے رہو اور بودے نہ بنو :

فلا تھنوا وتدعوا الی السلم

(۳) معاصر طاغوتی افکار سے مغلوبیت :

فتنۂ جدید میں آلودگی کا تیسرا سبب ھدی للناس پر یقین اور عقیدہ ہونے کے باوجود بینٰت من الھدیٰ والفرقان میں رسوخ نہ ہونا ہے جو معاصر طاغوتی افکار، رجحانات، حکمت عملی اور روش سے مغلوبیت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ جس کا لازمی نتیجہ مداہنت کا ظہور اور رواج پاتا ہے۔ عہد حاضر میں مغربی افکار، رجحانات، حکمت عملی اور ان کے اداروں سے مرعوبیت وہ شئے ہے جسے طاغوتی افکار سے مغلوبیت کا نام دیا جاسکتا ہے ۔

تحریک اسلامی کے بعض افراد اور ایسے افراد پر مشتمل بعض حلقے مغربی افکار و نظریات تہذیب و ثقافت، قوت و ٹکنالوجی وغیرہ سے کچھ اس درجہ مغلوب ہیں کہ اپنی عملی زندگی میں مغرب کی بظاہر مخالفت کرتے ہوئے بھی ان کے دلوں پر مغرب کا سحر چھایا ہوا ہے اور وہ مغربی افکار، تہذیب و ثقافت، قوت، ٹکنالوجی اور اداروں کو اسلامی لبادہ اوڑھا کر بلا کم و کاست درآمد کرلینے کو ہی اسلامی تحریک کا نصب العین سمجھتے ہیں ۔ ان کے دلوں کی یہ سحر زدگی بعض اوقات انھیں جس تبدیلی کے لانے کی طرف لے جاتی ہے یا جس درجہ کی تبدیلی پر انھیں بس کرنے اور قانع ہو جانے پر آمادہ کر لیتی ہے وہ جاہلیت خالصہ کو اسلامی جیسا لباس پہنا کر پیش کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ۔

وہ بیشتر افراد جو نئی نسل، اکیسویں صدی اور اسلام' کے تعلق سے آج کل عموماً بحث کرتے نظر آتے ہیں ان میں اکثر شعوری یا لاشعوری طور پر اسی ذہنیت سے متاثر ہیں ۔ وہ اس عنوان کے تحت پہلے تو مغربی اقوام کی مادی اور فنی ترقی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں پھر اپنی صفوں کا جائزہ لیتے ہیں پھر مغرب سے ہم رنگی کی تمنا رکھتے ہوئے مسلمانوں مسلم اجتماعیات اور ملکوں کو اسی بام تک لے جانا چاہتے ہیں اور بزبان حال الیکٹرونک اور کمپیوٹر ایج کی بات کرتے ہیں ۔ ہاں اسلام کی مناسبت سے

کوئی ایسی لم ضرور لگا دینا چاہتے ہیں جس سے طاغوتی ترجیحات کے مطابق پھولے ہوئے جسم کا مسلمان ہونا بھی دکھائی دے۔

انسانی تاریخ میں یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ کبھی یہ جذبہ لاشعوری اور معصومانہ ہوتا ہے تو کبھی شعوری اور جاہلانہ۔

معصومانہ جذبے کے ساتھ اس روش کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جسے ترمذی شریف میں بیان کیا گیا ہے :

عن ابی واقد اللیثی اَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لمّاخرج الی غزوۃ حنینٍ مرّ بشجرۃٍ للمشرکین کانوا یعلقون علیھا اسلحتھم یقال لھا ذات انواط فقالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواطٍ کما لھم ذات انواطٍ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبحان اللّٰہ ھٰذا کما قال قوم موسیٰ اِجعل لنا اِلٰھاً کما لھم اٰلِھۃ والّذی نفسی بیدہ لترکبنّ سنن من کان قبلکم۔ (رواہ الترمذی)	ترجمہ : ابو واقد اللیثی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کے لئے نکلے تو ان کا گذر مشرکوں کے (علاقے میں ایک) درخت سے ہوا جس پر ان لوگوں نے اپنے اسلحے لٹکا رکھے تھے جسے وہ ذات انواط کہتے تھے۔ تو اصحاب میں سے بعض نے کہا : یارسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط بنا دیجئے جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا : سبحان اللہ ! یہی وہ بات تھی جسے موسیٰؑ کی قوم نے کہا تھا کہ (اے موسیٰ) ہمارے لئے بھی ایک اِلٰہ بنا دے جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لوگ ضرور اگلوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے۔

جاہلی نظام

عصر حاضر بہر حال ایک حقیقت ہے۔ لہذا کچھ سوالات ایسے ضرور ہیں جن کے جواب ملنے چاہئیں ...... مثلاً یہ سوال کہ عصر حاضر کی جاہلی قدروں پر مبنی مغربی نظام جو فی الواقع نظام دوراں کی حیثیت رکھتا ہے کس تدریجی عمل اور مرحلے سے گزر رہا ہے؟ اس کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے؟ اس نظام کے عمل اور رد عمل کے نتیجے میں مستقبل کی دنیا کے سامنے کیا چیلنجز ہو سکتے ہیں؟ اور یہ کہ اس اعتبار سے اس چیلنج کو قبول کرنے اور دنیا کو فلاح سے ہمکنار کرنے کے لئے اسلام کا مومنوں سے کیا تقاضہ ہے؟

عصر حاضر کا نظام عالم کن اقدار پر مبنی ہے اس کا تذکرہ ابتداءً کیا جا چکا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس جاہلی قدر کا بنیادی پتھر اللہ، ذات الٰہ اور صفات الٰہ کا انکار ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس انکار کو انکارِ توحید کہا جاتا ہے۔

انکار توحید کر دینے والے کسی بھی فرد، قوم یا نظام کے لئے یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ روئے ارضی پر اپنے انسانی رویّے کے استمرار کے لیے دو باتیں مزید لازم کر لے۔ اولاً یہ کہ انسانی عقل عقلِ کُل ہے اور ثانیاً یہ کہ عقل کے استعمال کے لئے انسانی خواہش حاکم اور فیصلہ کنندہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ان دو باتوں کا اقرار اور لزوم اصلاً دو باتوں کے انکار اور ترک کا دوسرا نام ہے۔ ان دو باتوں میں پہلی چیز ہے روئے ارضی پر کسی ذریعہ ہدایت کا انکار اور دوسری اس بات کا کہ حیات ارضی میں 'انسانی رویہ' کی کوئی منتہا ہے۔ اسلامی اصطلاحات میں اول الذکر کو انکار رسالت اور ثانی الذکر کو انکار آخرت کہا جاتا ہے۔

ذات وصفات الٰہ کے انکار، اور انسانی عقل کے عقلِ کل ہونے اور انسانی خواہش کے حاکم اور فیصلہ کنندہ ہونے پر اصرار یا بالفاظ دیگر توحید، رسالت اور آخرت سے پیچھا چھڑا لینے کے بعد انسان مجبور ہے کہ زندہ رہنے اور زیست کے لئے جد وجہد کرنے کے سلسلے میں کسی کام کا فیصلہ کرنے کے مرحلے

تک پہنچنے کے لئے ایک مخصوص طریقہ کار کا سہارا لے۔ ظاہر ہے وہ طریقہ کار توحید، رسالت اور آخرت کی ہر بندش اور تحدید سے آزاد ہوگا۔)

(عصر حاضر کے مغربی نظام کو بھی توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کے بعد اسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا اور اس نظام نے اپنے لئے جو طریقہ کار وضع کیا وہ حقیقتاً توحید، رسالت اور آخرت کی ہر بندش سے آزاد تھا۔ جو لوگ عصر حاضر کے جاہلی نظام، اس کے تحت نمو پانے والے علوم وفنون، اس کے تقاضوں کے تحت معرض وجود میں آنے والے اداروں اور ان تمام چیزوں کے ساتھ ظاہر ہونے والے انفرادی اور اجتماعی انسانی رویّوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہ سب نظام عصر = تفریق = توحید، رسالت اور آخرت کی حیثیت رکھتے ہیں اور پھر بحیثیت تحریک اسلامی کے ایک فرد کے یہ تجویز فرماتے ہیں کہ اگر ان سب کے ساتھ توحید، رسالت اور آخرت کا جوڑ لگا دیا جائے تو یہ نظام اور اس کے تحت وجود میں آیا یہ کاروبار حیات کلیتاً اسلامی ہوجائیں گے ــــــ وہ دراصل اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ نہ تو انھوں نے نظام عصر کو سمجھا ہے اور نہ ہی نظام اسلام کو۔

اور اگر بفرض محال اس نظام کو توحید، رسالت اور آخرت سے متصل کر بھی دیا جائے تب بھی یہ نظام جس خمیر سے بنا ہوا ہے وہ کسی قیمت پر توحید، رسالت اور آخرت کو قبول کرنے اور ساتھ لے کر چلنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ وہ مخصوص طریقہ کار جیسا کہ عرض کیا گیا کہ توحید، رسالت اور آخرت کی ہر بندش سے آزاد ہے مندرجہ ذیل ہے:

مفروضہ (Hypothesis) ← مشاہدہ (Observation) ← تجربہ (Experi- -mentation)

سے

استقراء یا استنتاج (Inference)

وہ نظام جو یوروپ میں نشاۃ الثانیہ کے نام سے برپا ہوا اور انیسویں صدی آتے آتے سارے عالم پر چھا کر اور زندگی کے جملہ شعبہ جات کو اپنے اندر سمو کر بام عروج پر پہنچ گیا، دراصل اسی اساس پر قائم ہے۔ عہد وسطیٰ میں یوروپ میں پائی جانے والی مخصوص قدروں کے درمیان برپا ہونے والی اس فکر کی بنیادی قدر انکار توحید تھی جو بالآخر انکار رسالت وآخرت پر جاکر منتج ہوئی۔ انکار توحید، رسالت اور آخرت کے نتیجے میں برپا ہونے والا منہاج ہی دراصل وہ طریقۂ فکر ونظر اور طریقۂ کار ہے جسے عصر جدید میں سائنسی

نقطۂ نظر یا سائنسی طریقۂ کار (Scientific view or Scientific Approach) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں بار آور نظام، اس کے تحت نمو پانے والے علوم و فنون، اس کے تقاضوں کے تحت وجود میں آنے والے ادارے جاہلیت کے مظاہر ہیں اصل نہیں بلکہ اس جاہلیت خالصہ کا اصل الاصول تو وہ سائنسی نقطۂ نظر یا طریقۂ کار ہے جو اس پورے نظام کی رگ و پے میں روح کی طرح موجود ہے۔ انیسویں صدی آتے آتے اس سائنسی نقطۂ نظر کی غیر معمولی قوت کے ساتھ اس شکل میں جلوہ گر ہوئی جسے تالیف عناصر یا Synthesis کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح جاہلیت خالصہ کی قدروں پہ استوار اس تحریک نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبہ جات پر اپنی بالادستی قائم کرلی۔

طول بحث سے گریز کرتے ہوئے ذیل میں اختصار سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح اس جاہلیت خالصہ نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبہ جات اور پہلوؤں پر اپنی ہمہ گیر اور مضبوط بالادستی قائم کر رکھی ہے۔

(ا) طبیعات (Physical Science)

(الف) علم کیمیا میں نظریۂ عناصر (Elements or Atomic weights) نے کیمیائی ردعمل کی حرارت (Heats of Chemical Reaction) کا نظریہ قائم کیا۔

(ب) میکانکس (Mechanics) میں نظریۂ طاقت و قوت (Force or Relationship - to Motion) نے طاقت حرکیہ (Theory of Kinetic Energy) کا نظریہ دیا۔

(ج) علم طبیعات (Physics) میں ایک طرف نظریہ مادہ (Matter or Molecular Structure) نے نظریہ صیانت قوت (Theory of Conservation of Energy) دیا اور دوسری طرف نظریۂ برق (Law of Electricity) نے نظریۂ برقی قوت (Electric Force) دیا۔ اس طرح کیمیائی ردعمل کی حرارتوں کا نظریہ، طاقت حرکیہ کا نظریہ، صیانت قوت کا نظریہ اور اور نظریہ برقی قوت نے مل کر نظریۂ میکانیکل اکویولینٹ آف ہیٹ (Mechanical Equiva- lent of Heat) دیا۔ اور ان تمام نظریات نے ان دو نظریوں کو جنم دیا جنھیں مادہ کا نظریۂ جدید (New Concept of Matter) اور قوت کا نظریہ جدید (New Concept of Energy)

کہتے ہیں جو بالآخر اساس بنا اس قانون کلی کی جسے قانون تھرموڈائنامکس (Law of Thermo-dynamics)

یعنی مادہ اور قوت کے مابین تعلق کا نظریہ کہتے ہیں۔

(۲) حیاتیات و عمرانیات

(الف) علم طبقات الارض (Geology) میں نظریۂ تعویم طبقات الارض (Concept of Geological Time) نے نظریۂ وحدانی طریقۂ وقت (A Single Time Process) قائم کیا۔

(ب) علم حیاتیات (Biology) میں نظریۂ وحدتِ ذوی ارواح (Concept of Unity of All Living Things) نے نظریۂ تفریقِ انواع (Differentiation of Species) دیا۔

(ج) نظریۂ معاشرہ (Social Theory) میں تسابق برائے ارتقا (Competition Makes for Progress) کے نظریہ نے تنازع للبقا (Struggle for Survival) دیا۔

علم تاریخ میں نظریات احول (Theories of Environment) نے نظریۂ تفریق بر انتخاب ماحول (DifferentiationBy Adoptation to Environment) دیا۔

لہٰذا اس طرح :

علم طبقات الارض کے نظریہ وحدانی طریقہ وقت نے حیاتیات کے نظریہ تفریق انواع سے مل کر نشوئی فطری انتخاب کا نظریہ (Evolutionary Natural Selection) دیا۔ اور اسی طرح:

علم عمرانیات میں تنازع للبقا نے تاریخ کے نظریۂ تفریق بر انتخاب ماحول سے مل کر (Survival of the fittest) کا نظریہ دیا۔ اور پھر اسی طرح :

نشوئی فطری انتخاب کے نظریہ نے Survival of the fittest کے نظریہ کے ساتھ مل کر اور اس کے تعامل سے اس نظریہ کو جنم دیا جسے ڈاروینسیت یا (Darwinism) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۳) فنون لطیفہ (The Fine Arts)

فنون لطیفہ میں تالیف عناصر کے نتیجے میں :

(۱) شعبۂ بصر (Vision) کے تحت ایماء (Gesture) نے تمثیل (Drama) کے نظریات کو جنم دیا۔

٢) اسی شعبۂ بصر کے تحت لون یا رنگ (Colour) نے ایک طرف مصوری (Painting) کے نظریے دیئے تو دوسری طرف شعبۂ بصر کے نظریات سے مل کر فنِ تعمیرات (Architecture) کے نظریات دیئے۔

٣) شعبۂ صوت:- (Sound) کے تحت موسیقی نے آرکسٹریشن (Orchestration) کے نظریات دیئے۔

٤) شعبۂ صوت کے تحت شاعری (Poetry) نے نغمہ یا غنائیہ (Song) کے نظریات دیئے اور اس طرح شعبۂ بصر کے ڈراما، مصوری اور فنِ تعمیرات کے نظریوں نے شعبۂ صوت کے آرکسٹریشن اور نغمہ کے نظریوں سے مل کر اس تالیفِ عناصر کو جنم دیا جسے گرینڈ آپیرا (Grand Opera) کہا جاتا ہے۔ اسے ہی فنونِ لطیفہ کی ویگنری تالیفِ عناصر (Wagnarian Synthesis of the Arts) کہتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں تالیفِ عناصر کا یہ عمل ویگنر (Wagner) کے الفاظ میں (GESAMTKUNSTWERK) یا فنونِ لطیفہ کی جملہ کاوشوں کی کلیت (A Totality of All Artistic Endeavour) کہلاتا ہے۔

(٤) علم سیاسیات (Political Science)

یوں تو علمِ سیاسیات کے نظری اور عملی شعبے اصلاً علم انسانیات یا عمرانیات - (Humanities or Social Sciences) کے حصے ہیں لیکن اس صدی میں اس علم نے زندگی کے بقیہ شعبوں کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ اس کا تذکرہ الگ کیا جانا ہی مناسب معلوم ہوا۔ علم سیاسیات میں تالیفِ عناصر کا عمل مختلف نوعیت کا ہوا۔ اسے تالیفِ عناصرِ متضاد کہا جا سکتا ہے یعنی (Rival Synthesis) اس شعبے کے تحت ایک طرف:

لبرل ڈیماکریٹک اصولوں (Liberal Democratic Theory) کے تحت

١) تاریخی تجربہ (Historical Experience) جغرافیائی سرحدوں (Geographical Frontiers) مشترک زبان (Common language) نسلی قربت (Racial Affinity) اور قدیم اساطیری ثقافت (Folk Legend Culture) نے مل کر مغربی تصورِ قومیت (Nationality) کو جنم دیا۔

(ب) واحد حکومت (One Government) سیاسی آزادی (Political Independence) خود ارادیت (Self-Determination) نے تصور خود مختاری (Sovereignty) کی تشکیل کی۔

اور اس طرح مغربی قومیت (Nationality) نے خود مختاری (Sovereignty) کے ساتھ مل کر تصور قوم (Nation) دیا۔

اسی طرح دوسری طرف :

(۴) نظریہ مارکسیت (Marxist Theory) کی ابتدائی اشتمالیت (Primitive Communism) نجی ملکیت (Private Property) نے بورژوا سرمایہ داری (Bourgeois - Capitalism) اور اس نے طبقاتی کشمکش (Class war) کے نظریات دیئے۔

اور اس طرح لبرل ڈیماکریٹک نظریہ کے تحت نظریۂ قوم نے اور مارکسی نظریہ کے تحت طبقاتی کشمکش یا جنگ نے مل کر یا باہمی تعامل سے نظریۂ ریاست (Theory of State) کو جنم دیا اور یہی نظام دوراں کی روح ہے۔ عہد حاضر میں ان دو نظریوں کے تابیعی عمل کا نتیجہ نظریۂ اسریت اقوام (Family of Nations) ہے جس کی تجسیم کو اوائل بیسویں صدی میں League of Nations اور موجودہ زمانے میں مجلس اقوام متحدہ (UNO) کہتے ہیں۔

ایسے مسلم افراد، اجتماعیات یا ممالک جو اقوام متحدہ سے پُرامید و خوش گمان ہیں، اس کی ناکامیوں کے سلسلے میں مغربی ترقی یافتہ اقوام سے نالاں اور اس ادارے کی کامیابی کے متمنی اور اس کی تقویت کے لئے کوشاں ہیں۔ انھوں نے غالباً شاعر مشرق کے تبصرے کو محض شاعرانہ خیال قرار دیا ہو۔ جہاں شاعر نے کہا تھا کہ اس "داشتۂ پیرک افرنگ" کے ذریعہ عہد حاضر کے مغربی اقوام نے 'ملوکیت' عالم کا ایک 'خواب' دیکھا ہے۔

روحِ عصر

اس مختصر سی روداد سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عہد جدید کی اس جاہلیت خالصہ کی ہمہ گیری کس قدر بے نہایت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس معلومات کے بعد کہ اِس

نظام کی بنیادیں توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کا پتھر نصب ہے۔ یہ بات ظاہر و باہر ہو جاتی ہے کہ انسان کس انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ اس لئے کہ انکار توحید، رسالت اور آخرت انسان کو کن انتہاؤں تک جری بنا سکتا ہے اور ان پتھروں سے چنی ہوئی فصیل کے اندر کا شہر کس قدر فساد انگیز پرفتن ہو سکتا ہے اس پر تاریخ انسانی بھی شاہد ہے اور کتاب اللہ بھی۔

انسانی زندگی خواہ بحیثیت فرد ہو یا اجتماعیت، نصب العین کے بغیر ناقابل تصور ہے۔ ہاں یہ بالکل جدا بات ہے کہ کوئی نصب العین کس قدر ارفع ہے اور کوئی کس قدر ارذل۔ قرآنی اور مسلم جدید

عہد حاضر کے اس جاہلی نظام نے انسانی زندگی کو نصب العین سے ناآشنا نہیں رکھا ہے۔ لیکن وہ نصب العین کیا ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر لوگ کم ہی غور کرتے ہیں۔

اس عہد میں انسان انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں سے دو قسموں کے ہیں۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر۔ گویا انسان چار حیثیتوں پر مشتمل ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کا فرد، ترقی پذیر ملکوں کا فرد، ترقی یافتہ ملکوں کی اجتماعیت اور ترقی پذیر ملکوں کی اجتماعیت۔

اس طرح انفرادی رویئے سے انسانوں کی انفرادی حیثیت کا اظہار ہوتا ہے جبکہ حکومتی سطح کے رویئے سے اجتماعی حیثیت کا اظہار ہوتا ہے۔

اس جاہلی نظام نے زندگی کی جملہ حیثیتوں کو سمیٹ لیا ہے اور دونوں طرح کے معاشرے میں پائی جانے والی ہر دو حیثیت کو ایک نصب العین دیا ہے۔ بلاشبہ یہ نصب العین نہایت پرکشش اور دل فریب ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر خاص و عام فرد و اجتماعیت اسی نصب العین کے حصول میں سرگرداں ہے۔

انفرادی سطح

انفرادی سطح پر اس نظام نے جو نصب العین باضابطہ طریقے سے انسانوں کو عطا کیا ہے اور جس کے اظہار کے لئے ایک مخصوص اصطلاح ایجاد کی گئی ہے وہ ہے "معیار رہائش میں بلندی" (High Standard of Living)۔ یہ ایک غیر معمولی اصطلاح ہے جو بجائے خود نصب العین کی غیر معمولی حیثیت اس کی گیرائی اور ہمہ جہتی کا پتہ دیتی ہے۔ علم معاشیات و عمرانیات میں 'معیار رہائش' کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

"With reference to a person, family, or a body of people, it means the extent to which they can satisfy their wants. Thus if they can afford only the minimum amount of food, clothing, and shelter their standard of living is very low. If, on the other hand, they are able to enjoy a great variety of food, a good supply of good clothing, and live in a well-furnished house and in addition are able to satisfy a wide variety of other wants, then clearly such people are enjoying a high standard of living."

(A Dictionary of Economics and Commerce: MacDonald & Evans Ltd., London).

ترجمہ:

فرد، خاندان یا لوگوں کے ایک گروہ کے حوالے سے اس کا مفہوم وہ حد ہے جہاں تک وہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل کرسکیں۔ گویا اگر وہ صرف اپنی غذا، لباس، رہائش کی کم سے کم ضرورت پوری کر پاتے ہیں تو ان کا معیار رہائش نہایت گھٹیا ہے۔ اگر دوسری طرف کوئی اس لائق ہے کہ وہ غذا کی ڈھیر ساری قسموں میں کسی قسم سے لطف اندوز ہو پاتا ہے، جیسے لباس کے تعلق سے اچھے کپڑے کی فراہمی ہے ایک آراستہ گھر میں رہتا ہے اور اس کے علاوہ اپنی ضرورتوں کی مختلف متبادل صورتوں کی تکمیل کے قابل ہے تو یقیناً ایسے لوگ اعلیٰ معیار رہائش والے ہوں گے۔

لہٰذا اس نظام نے انفرادی سطح پر ہر فرد کو یہ نصب العین دیا ہے کہ اس کا معیار رہائش 'بلند' ہو! اور یہ بلندی مطلق نہیں بلکہ مبہم، تسابقی اور اضافی ہے۔

اب جہاں تک 'معیار رہائش میں بلندی' کے نصب العین کا تعلق ہے تو ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے افراد اپنی اپنی سطحوں سے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کے افراد اس نصب العین کے حصول کی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے معیار رہائش کو اس سطح تک بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے:

"With the rising of real income of the great mass of people and the virtual abolition of poverty a time arrives when most of them can satisfy their basic wants and still have money with which to buy other things."

(A Dictionary of Economics and Commerce: MacDonald & Evans Ltd., London).

(ترجمہ: آبادی کے بہت بڑے حصے کی حقیقی آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اور افلاس کے واقعی خاتمے کے بعد ایک گھڑی ایسی آجائے کہ لوگوں کی کثیر تعداد اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کر لینے کے بعد بھی اس حالت میں رہے کہ اُن کے پاس پیسہ اتنا بچ رہے کہ وہ دوسری اشیا خرید سکیں۔)

گویا پروفیسر گالبریتھ (Prof.J.K.Galbraith) کی اصطلاح میں ہر فرد جو کسی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک میں رہتا ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ 'Affluent Society' کا ایک فرد ہو۔

(انفرادی طور پر ہر فرد خواہ وہ ترقی یافتہ ملک سے تعلق رکھتا ہے یا ترقی پذیر ملک سے مذکورہ حالت میں رہنا چاہتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ترقی یافتہ ممالک جہاں مادی، مالی اور فنی وسائل نسبتاً زیادہ ہیں وہاں کے افراد اپنی موجودہ سطح سے اوپر کی طرف رخ کرتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک جہاں مذکورہ وسائل نسبتاً کم ہیں یا ان پر ان کا اختیار اس درجے کا نہیں ہے جس درجے کا اختیار ترقی یافتہ ملکوں کے اندر پائے جانے والے وسائل پر متعلقہ ملکوں کا ہے — لہذا وہ اپنی سطح سے — جو یقیناً ترقی یافتہ ملکوں کی سطح سے نیچی ہوتی ہے۔ وہاں کے افراد اُوپر کی طرف رُخ کرتے ہیں)۔

اجتماعیات کی سطح

اجتماعیات کی سطح سے مراد ملکوں کی سطح یا حکومتی سطح ہے۔ اس جاہلی نظام نے انفرادی سطح کے نصب العین معیار رہائش میں بلندی کو ہی نئے حدود اربعہ کے ساتھ اور مختلف شکل میں اجتماعیات کی سطح کا نصب العین قرار دیا ہے۔ اس کے تحت دنیا کے تمام ملکوں اور حکومتوں کا نصب العین یہ قرار دیا گیا کہ ایسی صورتحال برپا کی جائے اور قائم رکھی جائے جس میں "پورے ملک کے اندر بحیثیت مجموعی ایک جانب سرمایہ اور کارکن قوت میں اضافہ کی شرحوں کے مابین اور دوسری جانب آبادی میں اضافہ میں ایسا تعلق ہو کہ فی کس پیداوار بڑھ رہی ہو۔"[1]

---

[1] Rostow.W.W نے اسے ایک ایسی صورتحال کا پیدا کرنا اور برقرار رکھنا کہا ہے جس میں:

"A relation between rates of increase in capital and the working force on the one hand, and increase in population on the others, such that per capita out-put is rising."

(Process of Economic Growth: W.W.Rostow, p.84)

ظاہر ہے اس نصب العین کے حصول کی کوشش ترقی یافتہ ممالک ۔ جہاں مادی، مالی اور فنی وسائل کی فراہمی اور ان پر اختیار زیادہ اور وسیع تر ہیں ۔ اپنی سطح سے کریں گے اور ترقی پذیر ممالک اپنی سطح سے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس نظام نے اس نصب العین کے حصول اور اس کی برقراری کے لئے بعض چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے اور ان کے حصول کے لئے اور حاصل ہو جانے کی صورت میں برتری اور فوقیت برقرار رکھنے کے لئے انتھک جدوجہد اور نہ ختم ہونے والی دوڑ لازمی قرار دی گئی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل وہ اہم امور ہیں جن کے لئے ساری دنیا تکاثر اور تسابق کی ہلاکت خیز دوڑ میں بھاگ رہی ہے

(۱) اجماع سرمایہ (Accumulation of Capital)

اجماع سرمایہ سے مراد ملک کے حقیقی سرمایہ کے ذخیرہ کا اضافہ (Increasing a country's stock of real capital) ہے۔

(۲) طریقۂ فنیت یا علم الفنیّت (Technology)

یعنی ملک میں طریقۂ فنیت اور فنی مہارت کا حصول، ارتقاء اور توافق قائم رکھنا۔

(۳) مغامراتی اہلیت (Entrepreneurial ability) کا ملک میں حصول، ارتقاء اور توافق قائم رکھنا۔

(۴) طلب میں توسیع Expansion of Demand کا جاری ہونا اور رہنا۔

(۵) معاشرتی اور ادارہ جاتی عوامل (Social and Institutional Factors) کا حصول، قیام، ارتقاء اور توافق۔

غرض ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ہر دو قسم کے ملکوں میں انسان انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر اس نصب العین کے اختیار کر لینے کے بعد ایک ایسا میکانکی ذی روح ہو گیا ہے جو توافق للبقاء (Survival of the fittest) کی قیامت خیز اور تیز سے تیز تر ہوتی ہوئی جنگ لڑ رہا ہے۔ اور کوئی بھی جنگ نہ خلا میں لڑی جاتی ہے (معروف معنوں میں) اور نہ تنہا۔ لہذا اس نظام وقت کے تحت لڑی جانے والی جنگ ہر معاشرے میں اور ہر سطح پر اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر سے لڑی جا رہی ہے۔ اور ہر قوی اپنے سے کمتر کی قیمت (Cost) پر جنگ لڑ رہا ہے۔ ہر فرد دوسرے فرد کی قیمت پر اور ہر گروہ دوسرے گروہ کی قیمت پر

اور ہر ملک دوسرے ملک کی قیمت پر ایک مجنونانہ جنگ میں مشغول ہے۔ یہ جنگ چار پانچ سو سالوں کے بعد اس قدر ہیبت ناک ہو چکی ہے کہ روئے ارض اور ماورائے ارض کے قریبی علاقے کی ہر ذی روح اور غیر ذی روح بری طرح متاثر ہو چکی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قرآن نے ابتدائے آفرینش سے اب تک فی زمانہ انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والی ایسی صورت حال کا جس کا آج انسان مشاہدہ کر رہا ہے اور جس کی ہیبتناکی کی پوری زد میں آ چکا ہے یوں اظہار کیا ہے:

ظهر الفساد فی البر والبحر — ترجمہ: خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے

بما کسبت ایدی الناس (الروم ۴۱) — لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔)

قابلِ غور امر ہے کہ آخر نظامِ قدرت میں قانون کون و فساد کیا ہے۔ زمین پر اصلاح کے کیا معنی ہیں؟ فساد کسے کہتے ہیں؟ ظہور فساد کیسے ہوتا ہے اور خلق کس طرح اس سے دوچار ہوتی ہے اور اللہ کی حکمتِ بالغہ کس طرح اس فساد کا خاتمہ کرتی ہے۔؟؟

ظہور فساد

(بحر و بر میں فساد انسان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر شئے اپنی فطرت کے اعتبار سے اعتدال پر قائم ہے۔ یہ اعتدال اور توازن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے/۔ یہی اس کی صلاح ہے۔

امام راغب اصفہانی لفظ ظَھَرَ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

أی کثر وشاع ۔ یعنی اضافہ ہوا اور پھیل گیا۔ (مفردات الامام راغب)

لفظ 'فساد' کی تشریح کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں :

"الفساد خروج الشئ عن الاعتدال قليلاً كان الخروج عنه او كثيراً ويضادّه الصلاح ويستعمل ذلك في النفس والبدن والاشياء الخارجة عن الاستقامة."

ترجمہ: "یعنی فساد خروج ہے حد اعتدال سے خواہ یہ خروج تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور فساد مخالف ہے الصلاح کا۔ اس کا اطلاق ہر اس بات پر ہوتا ہے جس کا تعلق انسانی جان، بدن اور خارجی اشیاء سے ہے۔"

گویا ظَھَرَ الفساد سے مراد مخلوق کا فطرت، سنتِ الٰہی اور حد اعتدال سے انحراف اور باہر نکل جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلَّذِی خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِی قَدَّرَ فَھَدٰی (الاعلیٰ ۲-۳)

ترجمہ (پروردگار) جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا، جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔

اس ذیل میں ابو حیان فرماتے ہیں :

"ای خلق شیٔ فسواہ، بحیث لم یات متفاوتا، بل متناسبا علی احکام واتقان، للدلالۃ علی انہ صادر من عالم حکیم."

(البحر المحیط لابی حیان ۸/۴۵۸)

ترجمہ : پروردگار نے تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر اسے درست اور متناسب بنایا تاکہ اس میں کوئی تفاوت نہ پایا جائے اور کل عالم احکام و اتقان کے اعتبار سے متناسب ہو جائے اور وہ اس بات پر دلالت کریں کہ اسے کسی باخبر اور حکمت والی ذات نے بنایا ہے۔

'الذی قدر' کی تشریح کرتے ہوئے علامہ زمخشری فرماتے ہیں :

قدر لكل حيوان مايصلحه، فهداه اليه وعرفه وجه الانتفاع به (الكشاف ج ۴)

ترجمہ: تمام ذی روح کے لئے ایسی تقدیر تجویز فرمائی جو ان کے لئے مناسب ہو پھر ان کی طرف انھیں ہدایت دی اور انھیں ان راستوں اور طریقوں سے آگاہ کیا جن سے وہ ان کا استعمال کر سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

"ای قدر لكل مخلوق وحيوان مايصلحه، فهداه اليه وعرفه وجه الانتفاع به"

(روح المعانی ۱۰۴/۳۰، وایضاً التسهيل لعلوم التنزيل ۱۹۳/۴)

ترجمہ: تمام مخلوق اور ذی روح کے لئے ایسی تقدیر تجویز فرمائی جو ان کے لئے مناسب ہو۔ پھر ان کی طرف انھیں ہدایت دی اور انھیں ان راستوں اور طریقوں سے آگاہ کیا جن سے وہ ان کا استعمال کر سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ ہدایات متعلق ہیں اُن تمام چیزوں سے جن سے اہلِ دنیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ علامہ زمخشری اس ذیل میں فرماتے ہیں:

وهدايات الله للانسان الى مالا يحد من مصالحه وما لا يحصر من حوائجه فى اغذيته وادويته وفى ابواب دنياه ودينه (الكشاف ج ۴)

ترجمہ: اور اللہ کی یہ ہدایات انسان کے لئے مفید چیزوں سے متمتع کرانے والی ہیں (اور ان سے روکنے والی نہیں ہیں) اسی طرح وہ انسان کی غذا علاج اور دنیا اور دین کی جملہ ضرورتوں کی تکمیل کرانے والی ہیں (اور ان پر بے جا پابندی لگانے والی نہیں ہیں۔)

زمین پر فساد کا ظہور مختلف حیثیتوں اور متعدد راستوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً:

(الف) فضاء، کرۂ ہوا، کرۂ آب، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کے فطری توازن میں بگاڑ پیدا ہو جانے سے۔

(ب) انسانی خلق اور عادات میں غیر فطری تبدیلی ہو جانے یا ان کا غیر فطری استعمال کرنے یا انھیں ضائع کرنے سے۔

(ج) انسانی معاشرے اور معاشرتی آداب و اطوار کو ربانی ہدایات سے بے نیاز کرنے یا بالمخالف

استوار کرنے سے۔

(د) زمین پر ربانی ہدایات سے بے نیاز سیاسی، معاشی، معاشرتی، عمرانی اور روحانی نظام برپا کرنے سے وغیرہ)

(قرآن و سنت میں روئے ارضی پر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ فساد کا احصار کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند اہم پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إنّ ربكم الذی خلق السموات	ترجمہ: درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے
والارض فی ستة ایام ثم استویٰ	آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم
علی العرش یغشی اللیل النهار	ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن
یطلبه حثیثاً والشمس والقمر	رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور
والنجوم مسخرات بامره الا	چاند تارے پیدا کئے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔
له الخلق والامر تبارك الله	خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے، بڑا
رب العالمین۔ ادعوا ربکم	بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔
تضرعاً وخفیة انه لا یحب	اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے
المعتدین۔ ولا تفسدوا فی	یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین پر
الارض بعد اصلاحها وادعوه	فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔
خوفا وطمعا ان رحمة الله	اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ، یقیناً اللہ کی
قریب من المحسنین۔	رحمت نیک کردار لوگوں کے قریب ہے۔ (پکارو یعنی
(اعراف ۵۴۔۵۶)	بندگی رب کرو یعنی زندگی گزارو۔ دیکھئے بیان القرآن از مولانا اشرف تھانوی)

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو اتبع الحق اهواءهم	ترجمہ: اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے
لفسدت السموات والارض	پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری
ومن فیهن۔ (المومنون ۷۱)	آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قالت ان الملوك اذا دخلوا قرية أفسدوها. (النمل۔۳۴)

ترجمہ : ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور تہہ وبالا کر دیتے ہیں۔

(۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لتفسدن فی الارض مرتين ولتعلن علواً كبيرا. (الاسراء ۴)

ترجمہ : (پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کر دیا تھا کہ) تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔

ولتفسدن کا مطلب ہے حقوق اللہ اور اس کی ادائیگی میں فساد برپا کرنا اور لتعلن کا مطلب ہے حقوق العباد اور اس کی ادائیگی میں فساد برپا کرنا۔ ملاحظہ ہو بیان القرآن)

(۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

قالوا تالله لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض. (یوسف۔۷۳)

ترجمہ : (ان بھائیوں نے) کہا خدا کی قسم تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں۔

(۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

واذا تولّٰی سعی فی الارض ليفسد فيها. (البقرہ ۲۰۵)

ترجمہ : اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری بھاگ دوڑ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے۔

(۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وما يضل به الا الفاسقين الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما امر الله به ان يوصل ويفسدون فی الارض. (البقرہ ۲۷)

ترجمہ : (وہ) جو فاسق ہیں، اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (یعنی جملہ تعلقات شرعیہ)

(۸) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدناھم عذاباً فوق العذاب بما کانوا یفسدون۔
(النحل ۸۸)

ترجمہ : جن لوگوں نے خود کفر کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکا انھیں ہم عذاب پر عذاب دیں گے۔ اس فساد کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے رہے۔

(۹) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔
(النمل ۴۸)

ترجمہ : اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔

(ضحاک کا قول ہے : وہ نو لوگ اس زمین کے بڑے تھے (کان ھؤلاء التسعۃ عظماء اھل المدینۃ) اور حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ انھوں نے ہی اونٹنی کو ذبح کیا تھا۔ فساد پھیلانے میں یہ عناصر ایک دوسرے کے حلیف تھے (ملاحظہ ہو زاد المسیر ۱۸۲/۶ اور البحر المحیط ۸۵/۷)

(۱۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل۔
(البقرہ ۲۰۵)

ترجمہ : کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔

(۱۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض۔
(القصص ۷۷)

ترجمہ : احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر۔

(قارون کی فساد انگیزی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا " فبغی علیھم " یعنی وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہو گیا۔ طبری کا قول ہے : ای تجاوز حدّہ فی الکبر والتجبر علیھم (تفسیر طبری ۶۸/۲۰) یعنی وہ اپنی قوم کے خلاف تکبر اور ان پر جبر کرنے کے معاملے میں حدود کو تجاوز کر چکا تھا۔ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ حد اقتصاد سے باہر نکل جانے کی طلب بغی ہے خواہ کوئی باہر نکلا ہو یا نہ نکلا ہو۔ مولانا تھانوی

سورۃ النحل آیت ۹۰ کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "مامورات میں اعتدال عام ہے قوت علمیہ اور عملیہ کو۔ اس میں سارے عقاید و اعمال ظاہرہ و باطنہ غرض تمام شرائع داخل ہو گئے۔" آگے فرماتے ہیں: "اسی طرح منہیات میں منکر عام ہے تمام امور خلاف شریعت کو۔" آگے چل کر وہ فرماتے ہیں: "احسان خیر میں متعدی الی الغیر ہے تو اس کے برخلاف بغی ضرر میں متعدی الی الغیر ہے۔"

لہٰذا سورۃ القصص آیت ۷۷ میں احسان و بغی کا ذکر قابل غور ہے۔ یہاں سیاق و سباق اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ بغی بالآخر انسان کو شرک فی الذات یا فی الصفات تک لے جاتا ہے اور انسان بغی کے راستے سے اللہ کی صفت کمالیہ کا انکار کر کے یا اس میں کسی کو شریک ٹھہرا کر شرک میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور یہ افسد الفساد ہے۔ خواہ علم کی سطح پر ہو یا عمل کی سطح پر۔ آیت ۶۸ تا ۷۲ میں جن صفات کمالیہ کا تذکرہ ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) خالق ہونا (۲) مختار تشریع ہونا (۳) علم (۴) حکومت (۵) قوت و وسعت سلطنت (۶) قدرت (۷) افاضۂ نعمت۔

(۱۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الّذین طغوا فی البلاد۔ فاکثروا فیھا الفساد۔ (الفجر ۱۲)	ترجمہ: یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور ان میں بہت فساد پھیلایا تھا۔

(مزید ملاحظہ ہو الاعراف ۶۹، الحجر، الشعرا ۱۲۸-۱۳۹، حٰم سجدہ ۱۵، ص ۱۲)

(۱۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا (المائدہ ۳۳)	ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین پر اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے کہ فساد برپا کریں۔

اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ اور عدوان فساد ہے جو مختلف صورتحال کو شامل ہے۔

(۱) نظام حق اور حکومت عادلہ میں رہ کر کفر کو تقویت دینا، حق کے خلاف سازش کرنا اور مومنوں کے مابین تفرقہ ڈالنا اور اسلام دشمنوں کو اخلاقی، مالی یا مادی مدد کرنا یا پناہ دینا (لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل سورۃ التوبۃ آیت ۱۰۷)

(۲) نظام حق اور حکومت عادلہ میں سود کا جاری کرنا یا جاری رکھنا (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ البقرہ آیت ۲۷۹)

(۳) نظام حق کے اندر سے یا باہر سے فساد برپا کرنے اور اسے درہم برہم کرنے کی کوشش کرنا مثلاً قتل و غارت اور رہزنی اور ڈکیتی یا اس نظام کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش۔ (انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ۔ المائدہ ۳۳)

(۱۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ویقوم اوفوا المکیال والمیزان	ترجمہ : اور اے میری قوم تم ناپ اور تول
بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم	پوری پوری کیا کرو انصاف سے اور لوگوں کو ان
ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔	چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں
(ھود ۸۵)	فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔

(۱۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ان فرعون علا فی الارض وجعل	ترجمہ : واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی
اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ	کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان
منھم یذبح ابناءھم ویستحی	میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا اس کے لڑکوں
نساءھم انہ کان من المفسدین۔	کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا
(القصص ۴)	تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

(علا فی الارض یعنی زمین میں سر اٹھانا، باغیانہ روش اختیار کرنا، مقام بندگی سے اٹھ کر اپنے کو مقام خود مختاری پر فائز کرنا اور خلق خدا کے حقوق سلب کر لینا اور ان کی جان و حرمت کا مالک بن جانا اور زمین کے خزانوں اور اللہ کی پیدا کردہ متاع حیات میں غاصبانہ تصرف کرنا سب فساد میں داخل ہے۔

ان آیات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زمین پر فساد کن کن طریقوں سے برپا ہوتا ہے۔
فساد کا ظاہر ہونا بالآخر مختلف اقسام کی خرابیاں اور نقصانات پیدا کرتا ہے جو انسانیت کے لئے موجب ہلاکت ہوتی ہیں۔

آیت قرآنی ظھر الفساد ...... الخ اسی کی جامع معلوم ہوتی ہے۔

اس ذیل میں علامہ بیضاوی فرماتے ہیں :

ظھر الفساد فی البر والبحر کالجدب	ترجمہ : بحر و بر میں فساد کا ظہور مثلاً خشک سالی،
والموتان وکثرۃ الحرق والغرق	قحط، اموات، آتش زنی، سیلاب و غرقابی

واخفاق الغاصة ومحق البركات وكثرة المضار والضلالة والظلم ...... بما كسبت ايدى الناس بشوم معاصيهم او بكسبهم اياه ۔ (انوار التنزیل للبیضاوی ج ۳ صفحہ ۱۶)

بحری اور آبی اشیا کی پیداوار میں کمی، برکتوں کا ختم ہو جانا اور نقصانات کی کثرت، گمراہی اور ظلم کا بڑھ جانا ...... یہ سب انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے جو اس کے گناہوں اور بداعمالیوں کے نتیجے میں ہوتا ہے ۔

اسی ضمن میں علامہ زمخشری فرماتے ہیں :

نحو الجدب والقحط، وقلة الريع فى الزراعات والربح فى التجارات ووقوع الموتان فى الناس، والدواب وكثرة الحرق والغرق، واخفاق الصيادين والغاصة ومحق البركات من كل شئ، وقلة المنافع فى الجملة وكثرة المضار وعن ابن عباس رضى الله تعالى عنه : اجدبت الارض وانقطعت مادة البحر وقالوا اذا انقطع القطر عميت دواب البحر ۔ (الکشاف ج ۳ صفحہ ۲۲۴)

ترجمہ : جیسے خشک سالی، قحط، زراعتی پیداوار میں کمی، تجارتی منافعوں میں نقصان، انسانوں اور مواشی کی اموات کا زیادہ واقع ہونا، آتش زنی اور غرقابی کی زیادتی، خشکی و تری کے شکار اور دوسری پیداوار میں کمی، تمام چیزوں میں برکت کا کم ہو جانا، منافعت کی کمی اور نقصانات کا اضافہ ۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "زمین خشک ہو جاتی ہے، تری کے ذرائع منقطع ہو جاتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ جب بارش نہیں ہوتی تو بحری جاندار اندھے ہو جاتے ہیں ۔

یہ خرابیاں اور نقصانات اور ان کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتیں لازمی نتیجہ ہیں اللہ اور اس کے احکام کی اطاعت سے روگردانی کا ۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں :

اى بان النقص فى الزروع والثمار بسبب المعاصى لان صلاح الارض والسماء بالطاعة ۔

ترجمہ : زراعتی پیداوار اور پھلوں میں کمی گناہوں کے سبب ہوتی ہے اس لئے کہ زمین اور آسمان کی صلاح اطاعت الٰہی پر موقوف ہے ۔

(مختصر ابن کثیر ۵۰)

افساد و مہلکات

ایسی حالت میں قابل غور امر یہ ہے کہ آخر اس نظام دوراں کی قیادت میں عالم انسانیت کہاں جا رہا ہے؟ اس کا انجام کار کیا ہونے والا ہے یا کیا کچھ ہو سکتا ہے؟ اس اعتبار سے ایک مسلم اُمت ہونے کی وجہ سے اُمت محمدیہ کی کیا ذمہ داری ہے؟ یہ سوالات ضرور ایسے ہیں جو پوچھے جانے چاہئیں اور اُمت مسلمہ کو ان کے متعلق ضرور غور و فکر اور سعی و جہد کرنی چاہیے۔

اس ذیل میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اس جاہلی نظام نے کیسا اور کس درجے کا فساد برپا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اصلاح اسی پیمانے کی ضروری اور موثر ہوگی جس پیمانے کا فساد ہے اور جہاں تک فساد پر اصلاح کو اور جاہلیت پر حق کو ظاہر اور غالب کرنے کی بات ہے تو اصلاح کو فساد سے زیادہ درجے کی اور قوی تر ہونی چاہیے۔

اس اعتبار سے غور کرنے پر مندرجہ ذیل صورتحال سامنے آتی ہے:

(۱) نظام دوران کے جاہلی اقدار نے انسان کے جملہ شعبہ ہائے حیات کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

(۲) انسان نے مادی اور مادے سے متعلق فنی میدان میں اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے مقابلے میں غیر متوازن ترقی کی ہے۔

(۳) نظام دوران کی جاہلی قدروں کے سبب، فضا، کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ ارض، جمادات، نباتات، حیوانات اور ماورائے ارض اور ارض کی باہمی استقامت کے توازن

(Atmosphere, Biosphere, Hydrosphere, Inorganics, Plants, Animates, Astro-Physical — Balance)

میں زبردست فساد برپا ہو گیا ہے ۔

(۴) انسان کی روحانی، طبعی، نفسیاتی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی ثقافتی اور اخلاقی زندگی میں زبردست فساد برپا ہو گیا ہے ۔

(۵) دنیا سمٹ گئی ہے اور انسان انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر طوعاً یا کرہاً مسابقت یا تکاثر کے لئے موت و حیات کی جنگ (war of attrition) لڑ رہا ہے ۔

(۶) اس انارکی کی جنگ میں الملۃ الکفر کی ایک چھوٹی جمعیت ساری زمین، اس پر پائے جانے والے ذی روح اور غیر ذی روح قوت اور وسائل پر اپنی سیاسی، نفسیاتی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی جباریت اور آمریت قائم کرنے کے درپے ہے ۔

گویا اس اعتبار سے اس کا شدید اندیشہ ہے کہ آئندہ صدی دراصل خطرات یا مہلکات کی صدی ہوگی جس کے انجام کو قرآن کے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے :

ولما جاء امرنا (ھود ۵۸) اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) پہنچا ۔

جسے اسی آیت میں عذاب غلیظ (ھود ۵۸) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے ۔ اور یہ سارے عذابات اور مہلکات اس لئے آتے ہیں کہ

لیذیقھم بعض الذی عملوا (الروم ۴۱)

وہ مہلکات جن کا شدید اندیشہ پیدا ہو چکا ہے لازمی نتیجہ ہیں اس روش کا جس پر یہ معاصر نظام سارے عالم کے لوگوں کو چلا رہا ہے یا چلنے پر مجبور کر رہا ہے ۔

یہ مہلکات بنیادی طور پر دو قسموں کے ہیں ۔

(۱) روئے زمین پر نسل انسانی کی بقاء کے تعلق سے ۔

(۲) اور روئے زمین پر نسل انسانی کی فلاح کے تعلق سے ۔

نسل انسانی کی بقاء کے تعلق سے خطرہ یہ ہے کہ اگر انسانوں کی یہی روش برقرار رہی تو آئندہ صدی تک روئے ارض نسل انسانی کی بقاء، تعمیر اور افزائش کے قابل نہ رہ جائے گی ۔

نسل انسانی کی فلاح کے تعلق سے خطرہ یہ ہے کہ اگر معاصر دنیا کے انسان خواہ وہ کسی معاشرے سے تعلق رکھتے ہوں اسی روش پر چلتے رہے جس کی قدریں یہ جاہلی نظام متعین کرتا ہے تو آئندہ صدی تک یا روحانی، طبعی، نفسیاتی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی طور پر چند جباروں یا ایک جباریت کی صد فی صد غلام ہو کر رہ جائے گی اور لوگوں کے جملہ نجی اور اجتماعی حقوق براہ راست یا بالواسطہ سلب کر لئے جائیں گے اور خدا نا آشنا ظالم افراد کی ایک مختصر جمعیت ان پر چنگیزی کے ساتھ حکومت کرے گی۔

یہ بات محض ادعانہ نہیں۔ اس حقیقت کا احساس خواہ محکوم افراد کو نہ ہو لیکن نظام عصر کے ذہین لوگوں کو ضرور ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنے طلسم سامری کے مخصوص لب و لہجے میں کرتے رہتے ہیں۔

ء " طلسم سامری کے مخصوص لب و لہجے" سے مراد کوئی شاعرانہ تفنن نہیں ہے بلکہ اس جاہلی نظام کی مخصوص قوت اور اس کے اسلحہ خانے کا ایک مخصوص ہتھیار ہے جس سے مخالف ہونا اور بچنے کی تدبیر کرنا تو دور کی بات تقریباً سارا کا سارا مشرق حتیٰ کہ تحریک اسلامی کے بیشتر حلقہ جات بالکلیہ اس زلف گرہ گیر کے اسیر ہو چکے ہیں۔ اور وہ ہے علم و خبر کے حصول و تحفیظ اور انتشار کی معاصر قدر کو اس عہد میں اپنے لئے لازم قرار دینا جس کے تحت مغربی طرز کے تحقیقی مواد کو جمع کرنا، محفوظ رکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا، مغربی طرز کی احصائیات کو جمع کرنا، محفوظ رکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانے کو ناگزیر قرار دینا، اور مغربی طرز کے ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، ٹی وی، اخبار، کتاب (اشاعت)، اشتہارات، تمثیل، نغمہ اور فلم کو مفید ہی نہیں ناگزیر سمجھنا۔ اور یہ نتیجہ ہے علم و خبر کے حصول تحفیظ اور انتشار کے طریقوں، آلہ جات اور ادارہ جات کو مجرد اور خیر و شر سے پاک سمجھ لینے کا اور اس بات کا کہ اصل خرابی تو اس کے استعمال کرنے والے اور برتنے والوں کی ہے اور یہ کہ اگر یہ سب کچھ اہل حق کے ہاتھوں ہو تو اس میں خیر ہی خیر ہے۔ حالانکہ اہل علم اگر غور فرمائیں تو وہ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ایسا خیال محض سطحی غور و فکر کے سبب ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ علم و خبر کے حصول و تحفیظ اور انتشار کے طریقوں، آلہ جات اور اداروں کے پیچھے وہ معاصر قدر ہے اور جس کی جاہلیت اس کی رگ و پے میں خون کی طرح رواں ہے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اور یہ قدر بنیادی طور پر انسان کو یقین پر قائم رہنے نہیں دیتا بلکہ مجبور کرتا ہے کہ وہ یقین پر ظن کو راجح قرار دے جس کے تحت (Misinformation) کا ایک لامتناہی مرئی اور غیر مرئی نظام حرکت کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ انسانی زندگی کا ہر شعبہ ظنیات کی زمین پر ایستادہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح انسانی زندگی کی معادلت کا ہر عامل متغیر ہو کر رہتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں صدر جمی کارٹر کی ہدایات پر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے ۱۹۸۰ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ میں روئے زمین پر نسل انسانی کی بقا کے تعلق سے کہا گیا۔

"If present trends continue, the world in 2000 will be more crowded, more polluted, less stable ecologically and more vulnerable to disruption than the world we live in now."

("US Global 2000Report to the US President." 1980)

ترجمہ : اگر حالیہ روش اسی طرح برقرار رہی تو 2000 میں دنیا زیادہ پر ہجوم، زیادہ آلودہ، ماحولیاتی اعتبار سے کم مستحکم اور بآسانی تباہ ہو جانے کے قابل ہو جائے گی اس دنیا کے مقابلے میں جس میں ہم ابھی سانس لے رہے ہیں۔

یہی رپورٹ روئے زمین پر انسانی فلاح کے تعلق سے کہتی ہے :

"Though there would be greater material output including production of food, the worlds people will be as poorer in many ways that it is to-day."

ترجمہ : اگرچہ (آئندہ صدی میں) زیادہ مادی پیداوار ہوگی بشمول غذائی پیداوار کے۔ دنیا کے لوگ مختلف حیثیتوں سے زیادہ غریب ہوں گے جتنا کہ وہ آج ہیں۔

اور اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے عزائم اس طرح درج کئے گئے ہیں جنھیں صدر امریکہ کے نام اور اس مملکت کو مخاطب کرتے ہوئے یوں بیان کیا گیا ہے :

"Vigorous, determined, new initiatives are needed if worsening poverty and human suffering, environmental degradation, and international tension and con flicts are to be avoided."

"As era of unprecedented co-operation and commitment is essential."

"..... priority for the United States is to co-operate generously and justly with other nations in seeking solutions."

ترجمہ : " افلاس، انسانی تکالیف، ماحولیاتی انحطاط اور بین الاقوامی کشیدگی اور تصادمات کی بگڑتی صورت حال سے بچنے کے لئے زبردست، مستحکم اور نئے اقدامات کی ضرورت ہے "

" تعاون اور تعہد کے بے نظیر عہد (کا شروع کرنا) لازمی ہے "

"ریاست متحدہ امریکہ کے لئے ترجیح اس بات کی ہے کہ وہ اس حل کی تلاش میں دوسرے ممالک کے ساتھ مخیرانہ اور منصفانہ تعاون کرے" ؎۱

یہ تو محتاط ترین اظہار خیال ہے جسے بے پناہ ساحری کے ساتھ تیار کیا گیا ہے ورنہ حقیقت تو اس قدر سنگین ہے کہ اس کے تصور سے ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔

؎۱ ممکن ہے ان الفاظ اور بیان کو دیکھ کر کسی کو یہ گمان ہو کہ یہ نہایت تعمیری، خوشگوار اور انسانی طریق کار ہے۔ جاہلیت کے اسی دجل کو گزشتہ صفحات میں "طلسم سامری کا مخصوص لب ولہجہ" کہا گیا ہے۔ رڈیارڈ کیپلنگ تو بے سلیقہ شاعر تھا، جس نے بھونڈے طریقے سے اس کا استعمال کیا تھا اس نے کہا تھا:

(Take-up the white Man's burden - / And reap his old reward:/ The blame of those ye better, / The hate of those ye gaurd. (The white Man's Burden).

ورنہ اہل علم و اعلان بخوبی جانتے ہیں جو امریکی صدر ولیم میک کنلے نے فلپائن سے متعلق کیا تھا یا جوزف چمبرلین کا ۱۸۹۲ کا اعلامیہ جس میں اس نے کہا تھا:

"It is our duty to take our share in the work of civilization in Africa."

یا جان برائٹ جو انیسویں صدی میں برطانوی پارلیمان میں حزب اختلاف کے ترجمان تھے کی وہ بات "کہ ہندوستان میں واقع تفرقہ اور طوائف الملوکی کا خاتمہ کئے بغیر برطانیہ کس طرح وہاں سے دست بردار ہو سکتا ہے" کا لب ولہجہ کتنا تعمیری، خوشگوار اور فی زمانہ انسانی تھا۔ اور اس سے زیادہ امریکی سینٹ کے مشہور رکن Albert J.Beveridge کی وہ بات

"God has made us adept in government" that we may administer government among savage and servile people."

اور ان سب سے بڑھ کر ملکہ وکٹوریہ کا اعلان ۱۸۵۸ء ہے جو اگرچہ "Act for the Better government of India" کا اعلامیہ تھا اور جس کے پہلے مسودے کو جو زیادہ سچائی پر مبنی تھا رد کر کے مخصوص ساحرانہ نگاری کے ساتھ خود ملکہ نے اس وقت کے وزیر اعظم لارڈ ڈربی کو حکم دے کر تیار کروایا تھا۔ الفاظ کی ساحری ملاحظہ ہو:

"Whereas for divers weighty reasons, we have resolved, ... to take upon ourselves the government of the territories in India, heretofore administered in trust for us by the Honourable East India Company:......."

حقیقت یہ ہے کہ دنیا اپنی بقا اور فلاح دونوں اعتبار سے تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے : یہ لازمی نتیجہ ہے اس جاہلیت خالصہ کا جس کے رگ و پے توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کے خلیوں سے بنائے گئے ہیں، جس کے تحت انسانی عقل کُل کا درجہ رکھتی ہے، جہاں عقل اور تمام انسانی اعمال تابع ہیں اس قوت کے جسے انسانی خواہش کہتے ہیں جو انسان کو لازماً شترِ بے مہار بنا کر چھوڑتی ہے۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا احساس صرف مشرقی ذہن ہی کر سکتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں بھی ایسے افراد ہیں جنہیں اپنی حقیقت کا علم ہے اور وہ بسا اوقات اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

University of Michigan کے Henryk Skolimowski کہتے ہیں:

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ

"When, by the blessing of providence, internal tranquility shall be restored, it is our earnest desire to stimulate the peaceful industry of India, to promote works of public utility and improvement, and to administer its government for the benefit of all our subjects resident therein. In their prosperity will be our strength; in their contentment our security; and in their gratitude our best reward. And may the God of all power grant us, and to those in authority under us, strength to carry out these our wishes for the good of our people."

حالانکہ اس ایکٹ کی صرف ایک دفعہ یعنی دفعہ ۴۲ کی حقیقت کیا ہے اس کا اندازہ ایک معاشی تاریخ داں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"By this singular clause the capital stock and the debts of the East India Company were virtually added to the Public Debt of India; and the annual tribute which India had so long paid as interest on the stock was made perpetual. The Crown took over the magnificent empire of India from the company without paying a shilling; the people of India paid, and are still paying, the purchase money. It was an act of injustice towards a British Dependency unexampled in the history of the British Empire. It was an act of injustice which pressed heavily on the people after the expenditure of forty millions sterling for suppressing the Mutiny had been saddled on them."

(Romesh Dutt: The Economic History of India, Routledge & Kegan Paul, London, 1903).

"We are the most powerful civilization that ever existed."

وہ آگے چل کر فرماتے ہیں :

"The craving for power over things (and over other people, that are reduced to things) is a part of a tanscendental yearning, is an attempt to identify with a larger scheme of things ....."

ترجمہ : " اشیاء پر قدرت (اور اسی طرح دوسرے انسانوں پر جنھیں اشیاء کی سطح تک لادیا گیا ہے) کی خواہش (اس مغربی قوم کی) حقیقی اور فوق الوجودی خواہش کا ایک حصہ ہے' یہ ایک سعی ہے اشیاء کے وسیع تناظر میں اپنی علامت قائم کرنے کی ۔

وہ آگے کہتے ہیں :

"Out of the many possible connotations and Menifestation of power, we have chosen to enshrine one particular embodiment: power conceived as brute force for the purpose of control and domination. It is this particular Menifestation of power that has become interwoven into a larger structure called western secular civilization; and it is this form of power that causes havoc and is 'most dangerous'."

ترجمہ : طاقت وقوت کے متعدد ممکنہ دلالات اور مظاہر میں' ہم لوگوں نے اپنی مخصوص تجسید کو سمونے کی کوشش کی ہے ۔یعنی حصول قوت بطور قوت قاہرہ جس سے کنٹرول اور اقتدار حاصل ہو اور برقرار رہے' طاقت کا یہ وہ مخصوص مظہر ہے جو اس وسیع و عریض عمارت میں ہمہ جا پیوست ہو گیا ہے جسے مغربی سیکولر تہذیب کہتے ہیں ۔اور یہی وہ شکل ہے جو خوف کا سبب ہے اور جو نہایت خطرناک ہے

بغیر کسی لاگ لپیٹ کے وہ مزید کہتے ہیں کہ یہ ایک نئی ایمانیات (Eschatology) ہے ۔ اس کی تشریح فرماتے ہوئے وہ کہتے ہیں :

"The elevation of the myth of power to its present and dangerous position (in western civilization) has happened because western man has given up one form of salvation and has embarked (in the post Renaissance times) on other form. The idea of salvation was removed from heaven and placed

squarely on earth. In time, this salvation came to signify gratification in earthly terms alone. This meant using the earth, mastering the earth, subjugating the earth. The enjoyment of the fruit of the earth was only a part of the scheme; the other part was the enjoyment of power over the earth, over nature, over things."

(Henryk Skolimowski)': 'The reality and illusion of power; SEMINAR, DELHI, 323, July 1986).

ترجمہ: تصورِ قوت کا ارتقاء اپنی موجودہ خطرناک شکل میں (مغربی تہذیب میں) اس لئے ہوا ہے کہ مغربی انسان نے نجات کے ایک طریقہ کو ترک کر کے (مابعد نشاۃ الثانیہ عہد میں) دوسرے طریقے کو اختیار کر لیا ہے۔ نجات کا تصور آسمان سے ہٹا دیا گیا ہے اور پوری طرح زمین پر قائم کر دیا گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نجات کا یہ تصور ارضی اشیاء پر قدرت اور استمتاع ہی میں متصور ہو چکا ہے۔ اس کا مفہوم ہے زمین کا استعمال کرنا، زمین پر قدرت حاصل کرنا، زمین کو مفتوح کرنا، زمین کے متاع سے لطف اندوز ہونا تو صرف اس وسیع اسکیم کا ایک حصہ ہے اس کا دوسرا حصہ ہے اقتدار و قوتِ قاہرہ کا لطف لینا، زمین پر، فطرت پر، اشیاء پر۔"[1]

روئے ارضی پر انسان کی سیاسی، معاشی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی اور مجموعی طور پر اُن سب کے تعامل سے پیدا ہونے والی صورتحال روز بروز انتہائی تشویشناک ہوتی جا رہی ہے۔

سیاسی طور پر دنیا کے ممالک اپنا مقتدرانہ استقلال کھوتے جا رہے ہیں۔ مغربی علم و خبر کے حصول، تحفظ اور انتشار کے آلہ جات اور اداروں کا استعمال کرنے والے، ان پر بھروسہ کرنے والے اور انھیں حرفِ آخر نہیں تو کم از کم قابلِ استدلال سمجھنے والے عموماً انھیں بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں جس میں ساحرالموط انہیں رکھنا چاہتا ہے۔ دنیا میں (Sovereignty) کی بدلتی ہوئی تعریف اور حقیقی صورتحال کے متعلق عموماً یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ عصرِ حاضر کی دنیا میں انسانیت کے خیالات فروغ پا رہے ہیں، ملکوں میں اور قوموں میں تعاون بڑھ رہا ہے اور لوگ اس درجہ بلند ہو چکے ہیں اور رفتہ رفتہ بلند ہوتے جا رہے ہیں کہ محدود تعصبات کو ترک کر کے عالمی انسانیت کے جذبات اختیار کرنے لگے ہیں۔ اور یہ بڑھتا ہوا تعاون اس درجہ بالیدہ ہو چکا ہے کہ لوگ عالمی نظامِ حکومت (Global Form of — — Government)

---

[1] مذکورہ غلبہ بر زمین و اشیاء کا اسلامی تسخیرِ کائنات سے کوئی علاقہ نہیں۔

کی بات کرنے لگے ہیں اور اب ان میں اس قدر توسع آگیا ہے اور فی الواقع اب یہ اس قدر ناگزیر ہے کہ محدود تعصبات کے بجائے دنیا کے ممالک اپنے استقلال اور اقتدار اعلیٰ کے کچھ حصے سے دست بردار ہوجائیں اور اسے ایک عالمی نظام کے حوالے کردیں۔ حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے Jean Bodin (1530-96) کا De La Republique میں بیان کردہ تصور اقتدار اعلیٰ ہو یا ہیوگو گروٹیس کا (De Jure Belli ac— Pacis) — میں بیان کردہ یا (E.H.Cohen) کا تصور جدید یہ سبھی ایک ہی سفر کے مراحل و منازل ہیں۔ ایک نئی استعماریت کی یہ عبوری اور موقتی شکلیں ہیں۔

(UNO) اور اس کے اعضا، "اقوام متحدہ کا منصوبہ برائے عالمی کنٹرول برائے جوہری قوت (United Nations Plan for the International control of AE) شومن منصوبہ (Schuman Plan) یورپی معاشی معاشرہ (EEC)، یورپی مشترکہ منڈی، یورپی پارلیامنٹ وغیرہم اس کی سیال شکلیں ہیں۔ معاشی صورتحال اور بھی تشویشناک ہے۔ اگرچہ ان اعداد و شمار پر قطعاً بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جو اسی نظام فکر کے ذرائع علم و خبر کی دین ہیں۔ اس لئے کہ ان کا بیشتر حصہ غلط اطلاع دینے (Misinformation)، اطلاع نہ دینے (Uniformation) کو سلب کر لینے (Disinformation)، معلومات کی غلط توجیہ کر کے غلط فہمی پیدا کرنے (Misinterpretation) معلومات کی حقیقی صورتحال (زاویہ، وزن، ترجیحات وغیرہم) کو مسخ کر کے اس کے توازن کو اپنے حق میں بنا کر پیش کرنے یا کم از کم اس طریقہ کار کی افراط و تفریط سے پُر ضرور ہے جس کا تذکرہ تاریخ کی زبان میں اس طرح کیا گیا ہے:

> "The western attitude is typical of their style of fixing the starting points of History on events which suit their convenience."

ترجمہ: مغربی طرز اس اعتبار سے عجیب ہے کہ وہ تاریخ کے کسی واقعے کے نقطۂ آغاز کو اس طرح متعین کرتا ہے جو ان کے اعتبار سے مفید مطلب ہو۔

لہ حالیہ دنوں میں ایک صاحب نے اس توضیح کو راہ دیتے ہوئے ایک عجیب و غریب استدلال فرمایا ہے۔ پہلے تو آپ نے اقتدار اعلیٰ کے شعبوں، درجوں اور پہلوؤں کی فہرست دی۔ پھر فرمایا کہ چونکہ عہد حاضر میں کوئی بھی حکومت اس اقتدار اعلیٰ کا دعویٰ نہیں کرتی جو حاکمیت الٰہ کا ہم پلّہ ہو لہٰذا عہد حاضر میں کسی بھی حکومت کو باطل کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

تاہم یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ اعداد و شمار اس اعتبار سے پیش نہیں کیے جاتے ہیں کہ ان میں مغرب اور مغربی نظام کے لئے تاویل کی گنجائش نکل سکے اور اس سے خوش گمانی کو تقویت ملے۔ ان سے کچھ ذیل میں استفادہ کیا جاتا ہے۔

متعدد ذرائع کے جمع کردہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی نصف آبادی کے پاس روزانہ صرف ایک وقت کے بقدر کھانے کا سامان ہے۔ دنیا کے تقریباً قابل لحاظ ۱۶۰ ملکوں میں سے ۱۵۰ ممالک میں ۲۵ فی صد بچے پانچ سال کی عمر سے پہلے پہلے مر جاتے ہیں۔ دنیا کی تقریباً ۸۰ کروڑ آبادی کے پاس قوت لایموت سے زیادہ سامانِ زندگی میسر نہیں۔

دنیا کے ۱۵۰ سے زیادہ ممالک بیرونی قرضوں میں ملوث ہیں۔ ۱۳۰ سے زیادہ ممالک بیرونی قرضوں کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ ان ملکوں پر محدود اندازے کے بقدر ۱۰۳ ٹریلین ڈالر ..... (1 Trillion = 1 Million x Million x Million) کا قرض ہے۔ ۱۹۸۳ء میں تجارتی بنکوں (Commercial Banks) کے کل دعوے ان ملکوں پر ۲۲۵ بلین ڈالر سے زائد تھے۔ اور ان میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں صرف ڈیٹ سروسنگ (Debt Servicing) یعنی سود اور استہلاک دین (Interest and amortisation) کی ادائیگیاں ترقی پذیر ملکوں کی کل برآمدات کی ۱۹ فیصد تھیں۔ یہ ادائیگیاں صرف دو سال قبل یعنی ۱۹۸۰ء میں ۱۲ فیصد تھیں۔

بین المللی تجارتی ادارے (Multinationals or MNCs) ان ملکوں میں زیادہ سے زیادہ دخیل ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ان کی حیثیت ترقی یافتہ ملکوں کے ہراول دستے کی ہے۔ تین سو سالوں قبل صرف ایک برطانوی تجارتی ہراول دستے کی تباہ کاریاں مشرقی اقوام کو یاد ہوں گی۔ آج عصر حاضر میں ان ہراول دستوں کی تعداد ہزار سے تجاوز کر گئی ہے۔ ان کی قوت، وسعت اور دائرہ کار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ۸۰۰ سے زائد ایسے MNCs ہیں جن میں سے ہر ایک کا سالانہ Turnover 100 ملین ڈالر سے زائد ہے۔ ان میں سے ۸۰ فیصد سے زیادہ کا تعلق برطانیہ، مغربی جرمنی، فرانس اور ریاستہائے متحدہ امریکہ سے ہے۔

دنیا میں پائی جانے والی دوسری مالی اور اقتصادی ادارے جن سے اکثر افراد خوش گمان ہیں دراصل اس پورے نظام کے معین و مددگار ہیں۔ ان اداروں میں خصوصیت سے جن کا نام لیا

جاسکتا ہے وہ ہیں: عالمی بینک (World Bank)، عالمی مالی فنڈ (IMF) یورپی مشترکہ منڈی (EEC) اور (OECD) ہیں۔

تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی اعتبار سے صورتحال انتہائی تشویشناک ہے۔ بعض اوقات موجودہ صورتحال کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ مغربی دنیا — نسبتاً زیادہ — انارکی کا شکار ہے بعض اوقات دو قدم آگے جاکر ایک اصولی بات کہی جاتی ہے کہ یہ انارکی لازمی نتیجہ ہے خدا بیزاری کا۔ اور یہ کہ اب مغربی انسان بھی اس صورتحال سے متوحش ہے۔ یہ بات صحیح ہوتے ہوئے بھی مکمل نہیں ہے۔

دنیا تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی طور پر آج زیادہ غلام ہو گئی ہے۔ انارکی پیدا ہوئی نہیں ہے بلکہ پیدا کی گئی ہے۔ جس طرح دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام کو براہ راست اور بالواسطہ مخصوص سمت میں چلایا جا رہا ہے اور دنیا میں سیاسی اور معاشی اقتدار کی کلیت قائم کی جا رہی ہے۔ اسے ایک قسم کی میکانکی تضامن (Mechanical Solidarity) کا نام دیا جاتا ہے۔

اس کلیت کے قیام میں عصر حاضر میں سب سے متحرک عنصر "ذرائع ابلاغ عامہ" 'Mass Media' ہیں۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ لغت نے اس کے جو معانی متعین کئے ہیں وہ محض اس کی میکانکیت ہی کا احاطہ نہیں کرتے بلکہ اس کے پیچھے کام کرنے والے ارادے کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے:

> "Mass medium is a medium of communication that is designed to reach the mass of the people and tends to set the standards, ideals and aims of the masses."

ترجمہ:۔ ذریعہ عامہ ابلاغ کا ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اس طرح وضع کیا گیا کہ وہ عامۃ الناس تک رسائی حاصل کرے اور عوام کے معیار، خیالات و رجحانات اور ان کے نصب العین کو متعین کرے۔

تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی اقتدار کی کلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں انسانوں کا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جو ذرائع ابلاغ عامہ کے مشہور و معروف آٹھ اعضاء یعنی (۱) ریڈیو (۲) ٹیلی ویژن (۳) اشتہار (۴) ڈرامہ اور تھیٹر (۵) فلم اور سنیما (۶) اخبار اور رسائل (۷) کتابیں اور پمفلٹس اور (۸) نغمہ اور موسیقی میں کسی نہ کسی سے اور کسی نہ کسی درجے میں متاثر نہ ہو اور یہ چیزیں اس کی زندگی کا معمول نہ بن گئی ہوں اور وہ کسی نہ کسی درجے میں ان سے اپنی زندگی کے فیصلوں میں مدد نہ لیتا ہو۔

they are used successfully

ان ذرائع ابلاغ عامہ کے تمام اعضاء میں جو (Mochanical Solidarity)
قائم کی جارہی ہے اس کا احاطہ کرنا شاید یہاں ممکن نہ ہو۔ ان میں سے صرف ایک یعنی ٹیلی ویژن کی
میکانیکل سالیڈیریٹی کے صرف ایک پہلو کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

دنیا میں اس نظام کو چلانے والا سب سے بڑا ادارہ انٹرنیشنل ٹیلی کمیونیکیشن
سٹیلائٹ آرگنائزیشن
(International Telecommunication Satellite
Organisation) یعنی انٹیل سیٹ (INTELSAT) ہے۔ اسے ۱۹۶۴ء میں پوری دنیا
کے ابلاغ عامہ کے نظام کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ دنیا کے تقریباً ۱۲۰ ممالک بشمول امریکہ اور
برطانیہ اس سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ روس اور کناڈا کو چھوڑ کر بقیہ ممالک وہ ہیں جو عنقریب
اس میں شامل ہونے والے ہیں۔ ان مصنوعی سیارچوں نے زمین کو چاروں طرف سے الیکٹرونک
کمبل اُڑھا رکھا ہے۔

یہ تمام امور وہ ہیں جن کا کسی نہ کسی حد تک انسانی زندگی کی مادی فلاح سے تعلق ہے۔
لیکن جہاں تک اس روئے زمین پر انسانی بقا کا تعلق ہے تو صورتحال وہاں اور بھی تشویشناک ہے۔
خدا آشنا اور خدا ترس نظاموں نے قدرت کی نعمتوں کے ساتھ کبھی وہ سلوک نہیں کیا
جو نشاۃ الثانیہ کے بعد اس جاہلی نظام نے کرنا روا کر دیا۔ لہٰذا رفتہ رفتہ اس فساد انگیز اور بے محابہ بدسلوکی
کے نتیجے میں کرۂ ارض کا توازن بالآخر بگڑ گیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اگر یہی روش برقرار رہی تو آئندہ صدی
میں روئے زمین انسانی آبادی کی متحمل نہیں رہ جائے گی۔ انسانی آبادی کو ہلاکتوں کا سامنا ہوگا اور وہ
تمام لوگ جو اس نظام کے آلہ کار ہیں یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ یہی سنت اللہ ہے۔

لیذیقھم بعض الذی عملوا (الروم ۴۱)
(ترجمہ) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے۔

زمین اور اس کے اردگرد کی فضا میں زبردست عدم توازن اور فساد واقع ہو گیا ہے۔ لیکن قبل
اس کے کہ اس عنوان کے ذیل میں کچھ عرض کیا جائے ایک بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ
بات یہ ہے کہ:

علم و خبر کے حصول، تحفظ اور انتشار کے مغربی نظام کے تحت ــــ مثلاً کسی بڑے
خطرے کا اظہار ہو رہا ہو تو اس کی حقیقت یہ ہو سکتی ہے کہ فی الواقع وہ خطرہ اتنا ہی بڑا ہے اور یہ بھی ممکن

ہے کہ وہ خطرہ ہوہی نہیں۔ اسی طرح اگر کسی خطرے کا اظہار نہیں کیا جارہا ہے اور علم وخبر کے کسی ذریعہ میں اس کا ذکر تک نہ آئے تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ فی الواقع کوئی خطرہ نہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ سب سے بڑا خطرہ ہو۔ یہی بات ہر خبر ہر واقعہ اور ہر حقیقت سے متعلق کہی جاسکتی ہے۔

لاحیوی عوامل (Abiotic Factors) اور اس کے تحت آنے والے دونوں شعبوں یعنی ارضی ماحول (The Terrestrial Environment) اور مائی ماحول (Aquatic Environme-nt) میں زبردست خرابی اور فساد واقع ہوگیا ہے۔

ٹھیک اسی طرح حیوی عوامل (Biotic Factors) اور اس کے تحت ارتباط بین متعضیات (Association between organisms) اور غذائی عامل میں بھی زبردست خرابی اور فساد واقع ہوگیا ہے۔ ساری دنیا میں اور بالخصوص جہاں بے تحاشہ صنعت کاری ہوچکی ہے یا ہورہی ہے (اور اس وقت ساری دنیا اس جنون میں مبتلا ہے) تیزابی بارش (Acid Rain) کا خطرہ بڑھ گیا ہے اور بعض علاقوں میں فی الواقع بارش ہونا شروع ہوچکی ہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۸۰ء کے دوران صرف یورپ میں سلفر ڈائی اکسائڈ کا اخراج دوگنا ہوگیا ہے۔ جس سے شمالی امریکہ اور یورپ میں اس سے پیدا ہونے والی آلودگی کے نتیجے میں PH3 کی حد تک بارش ہوسکتی ہے (بلکہ ہورہی ہے) جس میں PH5 کے مقابلے میں 100 گنی زیادہ تیزاب ہے۔ اسکینڈینیویہ کے ممالک میں مچھلیاں فنا ہوگئی ہیں جو دراصل اس بارش کا نتیجہ ہے۔

ہر طرح کی آلودگی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ دھواں کی آلودگی کے علاوہ مخصوص طور پر خطرناک آلودگیاں مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) جوہری ناضل مادہ کی ذخیرہ اندوزی سے پیدا ہونے والی آلودگیاں۔

(۲) تیل کے اخراج (Slick) سے ساحلوں اور آبی حصوں میں پیدا ہونے والی آلودگیاں۔

(۳) Ozone کی تہہ کا کم ہوجانا جو روئے زمین پر ذی روح کو فوق البنفسجی شعاعوں سے بچاتی ہے۔

(۴) روئے زمین پر اور اس کی فضا میں بے حد وحساب حجری ایندھن (Fossil Fuel) کے جلنے سے فضا اور زمین میں کاربن ڈائی اکسائڈ کا توازن بگڑ گیا ہے۔ اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ کچھ دنوں قبل تک فضا اور ماحول میں جس قدر کاربن ڈائی اکسائڈ تھا اگر اسکی

مقدار بڑھ کر صرف دوگنی ہو جائے (جو اس لدشس کے برقرار رہنے کی صورت میں عنقریب ہو سکتی ہے) تو زمین کی سطح کا درجہ حرارت ۲ سے ۳ سینٹی گریڈ بڑھ جائے گا۔

علم وخبر کے حصول، تحفیظ اور انتشار کی مغربی ساحری کے باوجود اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ مندرجہ ذیل چیزوں، کاموں، طریقوں اور ترجیحات کے سبب روئے زمین پر سطح ارضی (Terrestrial) طبقات ارضی (Geological)، فضائی (Atmospheric) مائی (Aquatic) غذائی (Food) نباتاتی (Botanical) حیوانی (Zoological) بشری (Human) اور نفسیاتی (Psychological) زندگی میں کیسا فساد برپا ہو گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک انسانی حیات کو ناممکن بنا دینے کے لئے کافی ہے:

(۱) بڑی صنعتیں، فلک بوس عمارتیں اور شہر، بڑے ڈیم،

(۲) زیر زمین، بر زمین، زیر آب اور فضائی انفجارات (Explosions)

(۳) مصنوعی کاشتکاری، غیر فطری شجر کاری، جراثیم کش کیمیاجات، کیمیائی کھاد اور کیڑے مار کیمیاجات،

(۴) مصنوعی غذائیں، غیر فطری تغذیہ، کیمیائی تحفظ اور ڈبہ بندی، کیمیائی اغذا اور غیر فطری رد و قبول،

(۵) مضاد جراثیم (Antibiotic) دوائیں، بے تحاشہ جراحی، غیر فطری جراحی۔

(۶) کاموں کی غیر فطری تقسیم، غیر فطری معاشرتیت (Unnatural socialisation) اور غیر فطری معاشریت (Unnatural Societalisation)

مذکورہ بڑے بڑے خطرات اور مہلکات سے قطع نظر ان میں سے صرف ایک خطرہ کس قدر مہلک، وسیع الدائرہ اور متاثر کن ہے اس کا اندازہ ذیل میں دیئے گئے مختصر بیان سے ہو جائے گا۔

ذیل کا بیان صرف اس آلودگی سے متعلق ہے جو بے تحاشہ صنعت کاری اور صنعتی انقلاب کا نتیجہ ہوتی ہے اور سوء اتفاق اس وقت ساری دنیا اسی کے جنون میں یا تو مبتلا ہے یا اسے مبتلا کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ صنعتوں، مشینوں اور اسی سے متعلق چیزوں کے اخراج اور ان سے پیدا ہونے والی آلودگی اور ان کے مہلکات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آرسینک (Arsenic) ۔ کوئلہ اور تیل کی بھٹیوں سے اور شیشہ بنانے کے بڑے کارخانوں سے۔ طویل عرصے تک تعرض (exposure) پھیپھڑوں اور جلد میں کینسر پیدا کرتا ہے۔

(۲) بینزن C_6H_6 (Benzene) - ریفائنریوں، موٹر گاڑیوں سے۔ طویل عرصے تک تعرض

لیوکیمیا یعنی ابیضاء ض الدم (Leukemia) کا سبب ہوتا ہے۔

(۳) کیڈمیم Cd (Cadmium)۔ (Smelter) یعنی مصاہر، فاضل اشیاء کے جلنے، کوئلہ اور تیل کی ریفائنریوں سے۔ طویل عرصے تک تعرض گردے اور پھیپھڑے کو برباد کردیتا ہے۔ ہڈیوں کو کمزور کردیتا ہے۔

(۴) کلورین Cl_2 (Chlorine)۔ کیمیائی صنعتوں سے۔ HCL پیدا کرتا ہے۔ غشاء المخاطی (Mucous Membrane) میں تہیج (Irritation) پیدا کرتا ہے۔

(۵) کاربن مونو آکسائیڈ Co (Carbon monoxide)۔ موٹر گاڑیوں، کوئلہ اور تیل کی بھٹیوں، مصاہر، اسٹیل پلانٹوں سے۔ بدن میں آکسیجن کی کمی کردیتا ہے۔ دل کو برباد کردیتا ہے۔

(۶) فلورائیڈ آین F^- (Fluoride ion)۔ مصاہر، اسٹیل پلانٹوں سے۔ زیادہ مقدار میں موجودگی بچوں کے دانتوں کو خراب اور بدرنگ بنادیتی ہے۔

(۷) ہائیڈرو کاربن Hc (Hydrocarbons)۔ بعض جیسے گیسولین کے بخارات سے۔ سورج کی شعاع میں نائٹروجن آکسائیڈ سے مل کر دخانی کہر پیدا کرتے ہیں۔

(۸) فارمل ڈی ہائیڈ HcHo (Formaldehyde)۔ موٹر گاڑیوں، کیمیائی کارخانوں سے۔ آنکھوں اور ناک میں تہیج پیدا کرتا ہے۔

(۹) ہائیڈرو کلورائیڈ HCL (Hydrochloride)۔ بھٹیوں اور جلنے والی چیزوں سے۔ آنکھوں اور پھیپھڑوں میں تہیج پیدا کرتا ہے۔

(۱۰) ہائیڈروجن فلورائیڈ HF (Hydrogen Fluoride)۔ کیمیائی کھاد کے کارخانوں اور مصاہر سے۔ جلد، آنکھوں اور غشاء المخاطی میں تہیج پیدا کرتا ہے۔

(۱۱) مرکری Hg (Mercury)۔ کوئلہ اور تیل کی بھٹیوں اور مصاہر سے۔ تشنج پیدا کرتا ہے، اور نفسیاتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۲) نائٹرک تیزاب HNO_3 (Nitric Acid)۔ NO_2 سے بنتا ہے۔ تیزابی بارش کا بڑا عنصر ہے۔ تنفس کی بیماریاں پیدا کرتا ہے۔

(۱۳) نائٹرس تیزاب HoNo (Nitrous Acid)۔ NO_2 سے بنتا ہے آبی بخارات سے مل کر۔

تنفس کی بیماری کا سبب ہوتا ہے۔

(۱۴) ہائیڈروجن سلفائیڈ H_2S (Hydrogen Sulfide)۔ ریفائنریوں، شہری نالوں کی صفائی (Sewage Treatment)، گندگی کے کارخانوں سے۔ قے، متلی اور ابکائی کا سبب ہوتا ہے۔ آنکھوں میں تہیج پیدا کرتا ہے۔

(۱۵) سلفیورک تیزاب H_2SO_4 (Sulphuric Acid)۔ سلفر ڈائی آکسائیڈ اور ہائیڈروکسل آین (Sulphur dioxide and Hydroxylion) سورج کی شعاع سے مل کر بناتے ہیں۔ تنفس کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

(۱۶) مینگنیز Mn (Maganese)۔ اسپات کے کارخانوں، برقی کارخانوں سے بنتا ہے۔ طویل تعرض (Parkinson's Desease) کا سبب ہوتا ہے۔ یہ بیماری لقوے اور تشنج کی ملی جلی شکل ہے۔

(۱۷) نکل Ni (Nickel)۔ مشاہر، کوئلہ اور تیل کی بھٹیوں سے۔ شدید تعرض (High Exposure) پھیپھڑوں کا کینسر پیدا کرتا ہے۔

(۱۸) نائٹرک آکسائیڈ No (Nitric oxide)۔ موٹر گاڑیوں، کوئلہ اور تیل کی بھٹیوں سے۔ یہ آسانی سے No_2 میں بدل جاتا ہے۔ جس کا ذکر آرہا ہے۔

(۱۹) نائٹروجن آکسائیڈ No_2 (Nitrogen oxide)۔ سورج کی شعاع جب No سے ملتی ہے تو یہ بنتا ہے۔ اس سے Ozone بنتا ہے۔ جو التہاب شعبی (Bronchitis) کا سبب ہوتا ہے۔ انفلوئنزا سے مقاومت کی قوت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔

(۲۰) اوزون O_3 (Ozone)۔ نائٹروجن آکسائیڈ اور ہائیڈروکاربن کے سورج کی شعاع سے ملنے سے بنتا ہے۔ آنکھوں میں تہیج پیدا کرتا ہے۔ دمہ کو شدید کر دیتا ہے۔

(۲۱) ہائیڈروکسل ریڈیکل OH (Hydroxyl radical)۔ ہائیڈروکاربنز اور نائٹروجن آکسائیڈ کے سورج کی شعاع سے ملنے سے بنتا ہے۔ دوسری گیسوں کے ساتھ ردعمل کے نتیجے میں تیزابی قطرے (Acid droplets) بناتا ہے۔

(۲۲) پیروکسیاسیٹل نائٹریٹ PAN (Peroxyacetyl Nitrate)۔ ہائیڈروکاربنز اور نائٹروجن آکسائیڈ سورج کی شعاع سے مل کر بناتے ہیں۔ آنکھوں میں تہیج پیدا کرتا ہے۔ دمہ کو شدید کر دیتا ہے۔

(۲۳) جست Pb (Lead)۔ موٹر گاڑیوں اور مصاہر سے۔ Brain damage کا سبب ہوتا ہے
ہائی بلڈ پریشر پیدا کرتا ہے۔ نمو کو روک دیتا ہے۔ اپاہج بچوں کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔

(۲۴) سلیکون ٹیٹرا فلورائیڈ S_1F_4 (Silicon tetrafluoride)۔ کیمیائی کارخانوں سے۔
پھیپھڑوں میں تہیج پیدا کرتا ہے۔

(۲۵) سلفر ڈائی آکسائیڈ SO_2 (Sulphur dioxide)۔ کوئلہ اور تیل کی بھٹیوں اور مصاہر سے۔
تنفس کے نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ آنکھوں میں تہیج پیدا کرتا ہے۔

ان باتوں سے الگ ایک اور بڑا ہی مہلک خطرہ ہے اور وہ ہے جنگ اور ہتھیار بندی کا۔ یہ سب کچھ الل ٹپ نہیں ہو رہا ہے۔ اس جاہلی نظام نے منصوبہ بند طریقے سے سارے عالم کو غلام بنا لینے کا جو کام شروع کیا ہے اور جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔ اس کے تحت انہوں نے :

(۱) ساری دنیا کو رزم گاہ بنا دیا ہے جہاں دوسری اقوام ان کی ہدایت پر جنگ لڑیں۔

(۲) انہوں نے اس فکر کے تحت جنگ، ہتھیار بندی اور Modernisation کی ایک ناگزیر اور لامتناہی دوڑ پیدا کرا دی ہے۔

(۳) سارے نظام معیشت اور اس کے تحت صنعت کاری کا رخ ہتھیار بندی کی ترجیحات اور اصول پر قائم کرا دیا گیا ہے۔

(۴) لہٰذا اس فکر نے ایک ایسی فضا قائم کر دی ہے کہ اس کے تحت ممالک اپنے بجٹ کا تقریباً ۸۰ فیصد حصہ براہ راست یا بالواسطہ دفاعی، دفاعی صنعتکاری، دفاعی صنعت، معاون صنعتکاری، دفاعی تحقیق اور ایسے Social over heads پر صرف کرتے ہیں جو بظاہر رفاہی نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت اصلاً دفاعی ہیں۔

ہتھیاروں کے اعتبار سے دنیا ہلاکت کے جس موڑ پر پہنچ گئی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جس کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ دنیا میں مہلک ہتھیار تین قسم کے ہیں: (۱) روایتی (۲) جوہری (۳) غیر روایتی غیر جوہری۔ ان تینوں میں سب سے کم مقدار یا تعداد میں وہ ہتھیار ہیں جو غیر روایتی غیر جوہری کہلاتے ہیں۔ روایتی اور جوہری اسلحہ جات کی مقدار یا تعداد ان سے لاکھوں گنی زیادہ تک پہنچتی ہے۔ ذیل میں صرف تین قسم کی ہلاکت خیزی کا تذکرہ اختصار سے کیا جا رہا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا نخواستہ آنے والی جنگ

میں کیا کچھ ہلاکت خیزی ہو سکتی ہے۔

غیر روایتی غیر جوہری اسلحے اصلاً کیمیاوی اسلحے ہیں۔ جن میں گیسیں یا مناقل مادے ہوتے ہیں۔ ان اسلحوں کی کم از کم چار اقسام ہیں۔ خون کو متاثر کرنے والے، تنفس کو متاثر کرنے والے، جلانے والے، رگوں کو متاثر کرنے والے۔ ذیل میں ان کی مختصر روداد دی جاتی ہے۔

(۱) دموی عوامل (Blood Agents)

(الف) ہائیڈروجن سائنائڈ (Hydrogen Cyanide)

(ب) سائنا جن کلورائیڈ (Cyanogen Chloride)

کیمیائی اسلحوں کی یہ وہ قسم ہے جو دموی عوامل سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے سانس لیتے ہی خون کا وہ راستہ مسدود ہو جاتا ہے جو آکسیجن حاصل کرتا ہے اور مابعد وہ رگ پھٹ جاتی ہے اور جس سے دم گھٹ کر انسان مر جاتا ہے۔

(۲) ضیقی عوامل (Choking Agents)

(الف) کلورین (Chlorine)

(ب) فوسجین (Phosgene)

(ج) کلوروپکرین (Chloropicrin)

کیمیائی اسلحوں کی یہ وہ قسم ہے جو ضیقی عوامل سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کی بو بھوسے کی طرح ہوتی ہے۔ یہ تنفس کی نلی کو چیر دیتا ہے۔ جب یہ پھیپھڑوں میں مصل الدم (Plasma) خون کی رگوں سے داخل ہو جاتی ہے تو انسان بے ہوش ہو کر مر جاتا ہے۔

(۳) احراقی عوامل (Blistering Agents)

(الف) سلفر مسٹرڈ (Sulphur Mustard)

(ب) نائٹروجن مسٹرڈ (Nitrogen Mustard)

(ج) لیوی سائٹ (Lewisite)

کیمیائی اسلحوں کی یہ وہ قسم ہے جو احراقی عوامل سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ سب سے ہیبتناک کیمیائی ہتھیار ہے۔ یہ انسان کو تڑپا کر مارتی ہے۔ پہلے قے اور متلی سوزش کے ساتھ ہوتی ہے، پھر آنکھوں اور جلد

میں بے ہوشی شروع ہوتی ہے۔ وقتی طور پر انسان اندھا ہو جاتا ہے اور پھر سانس کا نظام درہم برہم ہونے سے انسان مر جاتا ہے۔

(۴) رگوں کو متاثر کرنے والے عوامل (Nerve Agents)

(الف) ٹے بن (Tabun)

(ب) سیرین (Sarin)

(ج) سومن (Soman)

(د) وی ایکس (VX)

یہ کیمیائی اسلحوں کی وہ قسم ہے جو رگوں کو متاثر کرنے والی ہے۔ یہ بے بو، بے رنگ ہوتی ہے۔ رگوں کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ اپنی زود اثری کے لحاظ سے یہ تمام کیمیائی اسلحوں میں سب سے مہلک ہے یہ سانس کے ذریعہ یا جلد سے اندر داخل ہوتی ہے اور انسان کو صرف ۵ منٹ میں ہلاک کر دیتی ہے۔

ہلاکت کی یہ کیمیاوی گیس ایک انچ یا اس سے بڑی ٹیوبوں میں بھری ہوتی ہیں اور آسمان سے گرائی جاتی ہیں۔ ہلاکت کے اندیشے کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف امریکہ کے پاس تیار حالت میں ہمہ وقت تقریباً ۳۰ ہزار ٹن کیمیائی ہتھیار موجود ہیں۔

زمان و مکان

مذکورہ تفصیلات سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ عالم انسانیت کے لئے اکیسویں صدی کے چیلنجز کیا کچھ ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ.... ان چیلنجوں کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو؟

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ان چیلنجوں کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ تو اس کا سیدھا صاف اور واحد جواب یہ ہے کہ قرآن و سنت کے مطابق۔ لیکن اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اتنا مختصر سا جواب شاید دلوں کو مطمئن نہ کر سکے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ زمان و مکان کے اس پورے قضیے کو قرآن و سنت کس اعتبار سے لیتے ہیں پہلے اس کا جائزہ لے لیا جائے۔

زمانہ اور گردش لیل و نہار خدائے ذوالملک والامر کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ

کا فرمان ہے:

ان ربکم الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یغشی الیل النہار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین۔ (اعراف ۵۴)	ترجمہ: درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت سلطنت پر متمکن ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے۔ سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہاں کا مالک و پروردگار۔

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات ہے۔ زمانے بدلتے ہیں۔ قوموں کی تاریخ میں عروج و زوال آتے ہیں۔

وتلک الایام نداولہا بین الناس (آل عمران ۱۴۰)	ترجمہ: یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں

یہی سلسلۂ روز و شب صیرفیٔ کائنات بھی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے لئے جگہ خالی کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

نحن خلقناھم وشددنا اسرھم واذا شئنا بدلنا امثالھم تبدیلا۔ (الدھر ۲۸)	ترجمہ: ان کو ہم نے پیدا کیا اور ان کی گرہ مضبوط باندھی اور ہم جب چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لے آسکتے ہیں (ترجمہ عبدالحق حقانی)

یہی سلسلۂ روز و شب نسل انسانی میں سے شہداء علی الناس کا مرحلۂ انتخاب بھی ہے۔

ولیعلم اللہ الذین آمنوا ویتخذ منکم الشھداء (آل عمران ۱۴۰)	ترجمہ: تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سے سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہیں۔

یہ سارا نظام عالم الل ٹپ نہیں بلکہ ایک منضبط قانون کے تحت چل رہا ہے۔ عروج و زوال کی کہانی انسان کے من چاہے اور من مانے خوابوں کی تعبیر نہیں۔ بلکہ فعال لما یرید کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی مظہر ہے۔

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن مکناھم فی الارض ما لم نمکن لکم وارسلنا السماء علیھم مدرارا وجعلنا الانھار تجری من تحتھم فاھلکناھم بذنوبھم وانشانا من بعدھم قرنا آخرین۔ (الانعام ۶)	ترجمہ :۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کا اپنے اپنے زمانہ میں دور دورہ رہا ہے ؟ ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار اور تمکن بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے، ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہادیں (مگر جب انھوں نے کفران نعمت کیا تو) آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے دور کی قوموں کو اٹھایا۔

تخلیق آدم سے لے کر آخرت میں بنی نوع انسان کے انجام تک (جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی) کی پوری مدت کو قرآن نے الدھر سے موسوم کیا ہے ۔ یہ طویل مدت دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی مظہر ہے ۔ اغلباً یہی سبب ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایسب احدکم الدھر فان اللہ ھو الدھر۔ (مسلم)	ترجمہ : تم میں سے کوئی زمانے کو گالی نہ دے بیشک وہ اللہ ہی زمانہ ہے ۔

اسے نوع انسان کی کل مدت تاریخ کا نام بھی دیا جا سکتا ہے ۔ یہی وہ مدت ہے جس میں انسان باعتبار نوع کامیاب ہوگا یا ناکام ۔ اور اس طرح نوع انسانی کے تعلق سے معرکہ خیر و شر کی کل مدت تاریخ بھی کم و بیش یہی ہے ۔ واللہ اعلم !

الدھر کے اس حصے کو جس کا تعلق نسل آدم کی حیات ارضی سے ہے قرآن میں الیٰ حین سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین ۔ (البقرہ ۳۶ ۔ الاعراف ۲۴)	ترجمہ : اور تمہارے لئے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے ۔

اور اس کی مزید تشریح فرماتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

قال فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون ۔ (الاعراف)

ترجمہ : اور فرمایا" وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخرکار نکالا جائیگا ۔)

حیات ارضی میں نسل آدم کا تاریخی سفر سپاٹ اور یکساں نہیں ۔ اس میں تغیر و تبدل، بسط و کشاد، کسر و انکسار پایا جاتا ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ مشہود ہے ۔ اللہ تعالیٰ نسل آدم میں فی زمانہ پائے جانے والے مختلف گروہوں میں سے بعض یا کسی گروہ کو اپنے منشاء کے عین مطابق اس کی مخصوص صلاحیت، خصوصیت اور میلان و آمادگی کے پیش نظر اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کرتا ہے ۔

ثُمَّ انشانا من بعدھم قرناً اٰخرین (المومنون ۳۱)

ترجمہ : ان کے بعد ہم نے ایک دوسرے دور کی قوم اٹھائی ۔

اور ایسا قطعی نہیں کہ یہ واقعہ صرف ایک بار ہوا بلکہ یہی تو وہ سنت الٰہی ہے جو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی ۔ تاریخ انسانی کی ربانی تشریح سے یہی بات ثابت ہوتی ہے ۔

ثم انشانا من بعدھم قرونا اٰخرین (المومنون ۴۲)

ترجمہ : پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں اٹھائیں ۔

دوسری جگہ فرمایا گیا :

ولکنا انشانا قرونا فتطاول علیھم العمر ۔ (القصص ۴۵)

ترجمہ : بلکہ اس کے بعد (تمہارے زمانے تک) ہم بہت سی نسلیں اٹھا چکے ہیں اور ان پر بہت زمانہ گذر چکا ہے ۔

قرن سے مراد انسانی معاشرے میں فی زمانہ مخصوص گروہ ہیں ، جیسا کہ ارشاد باری ہے :

وعاداً وثموداً واصحاب الرس وقرونا بین ذلک کثیرا ۔ (الفرقان ۳۸)

ترجمہ : اور اسی طرح عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور بیچ کی صدیوں کے بہت سے لوگ تباہ کئے گئے ۔

لیکن قرن سے مراد محض فی زمانہ کسی مخصوص (نسلی یا علاقائی) گروہ ہی نہیں ہے (والقرن المقترنون فی زمن واحد : المفردات للامام راغب) بلکہ کسی زمانہ میں مختصر یا وسیع تر طبقے میں ایک خصوص فکری نقطۂ نظر، طرز عمل اور طریقۂ حیات رکھنے والے لوگ بھی مراد ہیں ۔ لیکن کوئی ضروری نہیں کہ یہ مخصوص نقطۂ نظر، طرز عمل یا طریقۂ حیات

معروف معنوں میں کسی ایک نسل کا ہی ہو۔

کذبت قوم لوط المرسلین ..... — ترجمہ : لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا...

أتاتون الذکران من العالمین۔ — کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو ...

(الشعراء ۱۶۰)

(قوموں کا ظاہر ہونا اور گروہوں کا غالب ہونا سنتِ الٰہی کے مطابق ہے۔ اور پھر اسی سنت کے مطابق ہی تبدیلی اور تغیر واقع ہوتا ہے!

(اسی طرح سنتِ الٰہی کا ایک اور نظام ہے جو ٹھیک اس کے ساتھ ساتھ عمل کرتا ہے۔ اور وہ ہے فرد اور قوموں کی سطح پر کسی فرد اور قوم کو مجتبیٰ قرار دینا۔ قرآن کا ارشاد ہے :

شرع لکم من الدین ما وصّی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسٰی وعیسٰی ..... ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه الله یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب۔

(الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب آپ کی طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو (یا قائم رکھو) اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمدؐ) آپ انھیں دعوت دے رہے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

اس طرح قوموں اور ملت کی سطح پر ارشاد فرمایا گیا :

وجاهدوا فی الله حق جهاده هو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین (الحج ۷۸)

ترجمہ : اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ (قائم ہو) اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا۔

(... کسی قرن یا گروہ انسانی کا انتخاب، اس کی نشأۃ، اس کا تمکن یا اس کی معزولی ایک فیصلۂ خاص ہے جسے خدائے بزرگ و برتر اپنی سنت کے مطابق لیتا ہے اور اسی کا حکم زمین پر نافذ ہو کر رہتا ہے۔

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن مکنٰھم فی الارض مالم نمکن لکم ...... فاھلکنٰھم بذنوبھم وانشانا من بعدھم قرنًا اخرین۔ (الانعام ۶)

ترجمہ: کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ جن کا اپنے زمانہ میں دور دورہ رہا ہے؟ ان کو ہم نے زمین میں اقتدار بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے، ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہادیں (مگر جب انہوں نے کفرانِ نعمت کیا تو) آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے دور کی قوموں کو اُٹھایا۔)

زمانہ ایک حقیقت ہے۔ زمانے میں فرد اور قوموں کا سفر خوابوں کی دنیا میں نہیں بلکہ حقیقت اور عمل کی واقعی زمین پر ہوتا ہے۔ عمل خود ایک حقیقت ہے۔ اور دنیائے حرکت و عمل کی حقیقت کبریٰ وہ ہے جس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

والعصر۔ ان الانسان لفی خسر۔ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ (العصر)

ترجمہ: زمانے کی قسم، انسان در حقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت محمدیہ مستجابہ ہی اُمت مسلمہ ہے۔ یہی اُمت وسط بھی ہے اور اُمت مجتبیٰ بھی۔ لہٰذا لازماً شہداء علی الناس کی ذمہ داری اسی پر عاید ہوتی ہے۔ حیات دنیوی میں بھی اور حیات اخروی میں بھی:

وکذالک جعلناکم امۃ وسطًا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدًا (البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ اور اور رسول تم پر گواہ ہو۔

اور مزید فرمایا گیا :

فکیف اذا جئنا من کل اُمۃٍ بشھید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاءِ شھیدًا (النساء ۴۱)

ترجمہ :۔ پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کرینگے۔[۱]

دنیا کے تمام مسلمانوں کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ بحیثیت مومن فرد اور مومن امت کے ان کی کامیابی براہ راست متعلق ہے ـــ اس ذمہ داری کے ادا کرنے سے جسے لتکونوا شھداء علی الناس کہتے ہیں۔ اور اس ذمہ داری کی حقیقت ہے : ایمان باللہ، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ امت مسلمہ کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے۔ اس کی کامیابی اس

---

[۱] یہ ذمہ داری کس قدر اہم کتنی ناگزیر اور اس اُمت مسلمہ کی کامیابی و ناکامی سے براہ راست متعلق ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اُمت کو ایک ایسی ذمہ داری سونپی جس میں جملہ دین اور اس کے سارے پہلو سمٹ آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا : فلیبلغ منکم الشاھد الغائب (ترجمہ : پس تم میں جو حاضر ہے وہ غیر حاضر لوگوں تک اسے پہنچائے)، اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس حدیث سے ہوتا ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے : قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ علی الکتاب :۔ حتیٰ جئت الی ھذہ الآیۃ فکیف اذا جئنا... شھیدا قال حسبک الآن ۔ فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان (متفق علیہ) ترجمہ : حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ (ایک روز) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے کہا : اے اللہ کے رسول ! کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں۔ جبکہ قرآن تو آپ ہی پر نازل ہوا ہے ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں چاہتا ہوں کہ اسے (یعنی قرآن کو) کسی دوسرے سے سنوں۔ پھر میں انھیں سورہ النساء سنانے لگا۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہونچا : (فکیف اذا جئنا من کل اُمۃ بشھید وجئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا) ترجمہ : پھر سوچو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لا دیں گے :" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ بس ٹھہر جاؤ۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

بات میں مضمر ہے اور اللہ کی نصرت اور فتح براہ راست اس بات سے متعلق ہیں کہ فی زمانہ امت مسلمہ کے افراد فرداً فرداً اور امت مسلمہ اجتماعاً اس ذمہ داری سے کس درجہ عہدہ برآ ہو رہی ہے۔)

(بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک کا عرصہ بلاشبہ نازک ہے۔ دین مکمل ہو چکا ہے اور قیامت تک قرآن وسنت ہی ہدایت کا منبع اور میزان رہیں گے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ تا صبح قیامت انسان دینِ ربانی کا مکلف ہے لہٰذا حالات میں کوئی ایسی تبدیلی ناممکن ہے جو قرآن و سنت کو ھدیٰ، بینات من الہدیٰ، اور فرقان نہ باقی رکھے۔ انسانی حیات کا کوئی بعد (Dimension) ایسا نہیں جو حد امکان میں ہو اور اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت اس پر حاوی اور اس کے لئے ہادی نہ ہوں محض اصولیات میں نہیں بلکہ فروعات میں بھی۔ محض مجملات میں ہی نہیں بلکہ مفصلات میں بھی۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ قرآن وسنت کی ہدایت اور اس پر اس کا حاوی ہونا مقتدی کے مطیع ہونے پر ہے یا بندۂ نفس ہونے پر بھی۔

بعثت نبویؐ سے لے کر قیامت تک کے عرصے میں جو کچھ تبدیلیاں اور تغیر شئونات ہو سکتے ہیں ان کا ذکر احادیث نبوی میں صراحتاً یا اشارۃً موجود ہے۔ قرآن وسنت کی موجودگی میں ان اخبار و آثار میں اس اعتبار سے کوئی اضطراب نہیں کہ یہ تدبر و تفکر کے نتیجے میں ہدایت کے لئے کافی نہ ہوں!

(الف) حیات ارضی میں انسانی تاریخ کا سب سے بہتر عہد (ماقبل ومابعد) عہد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے تین اسباب ہیں: (الف) تاریخ انسانی میں اسی عہد میں دینِ ربانی کی تکمیل ہوئی۔ (ب) اسی عہد میں اللہ تعالیٰ نے بالعموم نسل آدم پر اور بالخصوص اہل ایمان پر اتمام نعمت فرمائی۔ (ج) تمام نسل آدم کے لئے اسلام کو دین قرار دیا۔ اہل اسلام کو اپنی رضا سے نوازا۔ اسی لئے فرمایا گیا خیر القرون قرنی سب سے بہتر زمانہ میرا عہد ہے۔)

مذکورہ بنیادوں پر زمین پر نظام عدل قائم ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ھذا الامر بدأ نبوۃ ورحمتا — اس (دور) کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا۔

(اس طرح ربانی منہاج کے مطابق نسل آدم کے درمیان دو کاموں کا آغاز ہوا۔

پہلا کام: لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں اور جاہلیت سے نکال کر اسلام میں لانا۔

فرمایا گیا:

الرٰ کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید۔ (ابراھیم ۱)

ا، ل، ر، یہ قرآن ایک کتاب جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم (توفیق) سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی خدائے غالب ستودہ صفات کی راہ کی طرف لاویں۔

دوسرا کام : روشنی قبول کر لینے والوں کے سامنے اور ان کے لئے 'تلاوت آیات کرنا'، ان کا 'تزکیہ' کرنا' اور انھیں 'الکتاب' اور 'الحکمۃ' کی 'تعلیم' دینا۔ فرمایا گیا :

لقد منّ اللہ علی المومنین إذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ (آل عمران ۱۶۴)

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے رسول کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو الکتاب اور الحکمۃ کی تعلیم دیتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔

اور یہی سبب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا گیا :

وارسلناک للناس رسولاً وکفیٰ باللہ شھیداً۔ (النساء ۷۹)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔

اور یہ ان تمام باتوں پر حاوی اور وہ ان پر دال ہیں جو البقرہ ۱۱۹، الاسراء ۱۰۵، انبیاء ۱۰۷، الفرقان ۵۶، الاحزاب ۴۵، سباء ۲۸، فاطر ۲۴ اور الفتح ۸ میں بیان کی گئی ہیں۔

(جب اسی حکم، اسی روش اور انھیں ترجیحات کا اتباع متصل بعد والوں نے کیا تو اس دور کو 'خلافۃ علی منھاج النبوۃ' کا نام دیا گیا ہے (رواہ احمد والبیھقی فی دلائل النبوۃ عن النعمان بن بشیر عن حذیفۃ)

(لہذا اپنی روح اور جسم اور نتیجتاً نشاط اور عمل کے اعتبار سے یہ دور اپنے ماقبل کے دور کا چربہ تھا، یہی سبب ہے کہ فرمایا گیا :

ثم یکون خلافۃ ورحمۃ ..... ترجمہ : پھر خلافت اور رحمت ہوگی۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی عبیدؓ و معاذ بن جبل)

یہاں چند باتیں تنقیح طلب ہیں :

خلافت عبارت ہے جملہ ان اشغال و اعمال سے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا۔ دوسروں کو اس کے کرنے کا حکم دیا اور آنے والوں کو کرنے کی تاکید فرمائی جس کا ذکر مجملاً سورہ ابراہیم آیت ۱ اور آل عمران آیت ۱۶۴ میں آچکا ہے[1]

---

[1] اسی خلافت نبویہ کی تشریح کرتے ہوئے اور بحیثیت اجتماعیت اسے مشخص کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یوں تفصیل فرمائی ہے :

اعلم انہ یجب أن یکون فی جماعۃ المسلمین خلیفۃ لمصالح لاتتم إلا بوجودہ وھی کثیرۃ جداً یجمعھا صنفان : احدھما مایرجع إلی سیاسۃ المدینۃ من ذب الجنود التی تغزوھم وتقھرھم وکف الظالم عن المظلوم وفصل القضایا وغیر ذلک ..... وثانیھما مایرجع الی الملۃ وذلک أن تنویہ دین الاسلام علی سائر الادیان لایتقوم إلا بأن یکون فی المسلمین خلیفۃ ینکر علی من خرج من الملۃ وارتکب مانصت علی تحریمہ أو ترک مانصت علی افتراضہ أشد الانکار ویذل اھل سائر الادیان ویاخذ منھم الجزیۃ عن ید وھم صاغرون وإلا کانوا متساوین فی المرتبۃ لایظھر فیھم رجحان إحدی الفرقتین علی الاخری ولم یکن کابح یکبحھم عن عدوانھم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع تلک الحاجات فی ابواب اربعۃ : باب المظالم وباب الحدود وباب القضاء وباب الجہاد۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۴۸)

ترجمہ : واضح ہو کہ یہ بات ضروری ہے کہ مسلمانوں میں خلیفہ ہو جو ان مصالح کو پورا کرے جن کا پورا ہونا خلیفہ کے بغیر ممکن نہیں اور یہ مصالح بہت سے ہیں جنھیں دو عنوان کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے : اولاً۔ وہ امور جن کا تعلق انتظام حکومت یعنی سیاست مدینہ سے ہے۔ جس کے تحت حملہ آور فوجوں کو دفع کرنا اور ان کی خرابی کو رفع کرنا، ظالم کے ظلم سے مظلوم کو بچانا اور مقدموں کا فیصلہ کرنا اور اسی قسم کے دوسرے کام۔ ثانیاً۔ وہ امور جن کا تعلق ملت یا اُمت مسلمہ (کی حیثیت علم) سے ہے۔ جس کے تحت دنیا کے تمام دوسرے ادیان پر اسلام کو غالب کرنا یا اس کا غلبہ بحال رکھنا جس کا تصور مسلمانوں میں خلیفہ کے وجود کے بغیر ممکن نہیں۔ جو اس بات پر نظر رکھ سکتا ہے کہ کوئی گمراہ ہو کر دین اسلام سے نکل نہ جائے، اور کوئی حرام کیے ہوئے کاموں کا مرتکب نہ ہو جائے اور فرض اور ضروری امور ترک نہ کر دے۔ وہ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ دنیا کے سارے ادیان (اسلام کے مقابلے میں) کمزور اور حقیر بن کر رہیں اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

'ان هذا الامر بدأ نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة' میں رحمت عبارت ہے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ ابعاد سے۔ لہٰذا اس اعتبار سے عہد نبوت و خلافت راشدہ میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلو ــــ سیاسی، معاشی، روحانی، اخلاقی، علمی، نفسیاتی، ثقافتی، معاشرتی وغیرہم درجہ کمال سے ہم کنار ہوئے۔ اور یہ درجہ کمال اس دنیا کی حد تک اضافی نہیں بلکہ مطلق تھا۔ سورۃ المائدہ آیت ۳ میں واتممت علیکم نعمتی اور حدیث شریف میں مذکور" لیتمن هذا الامر" (بخاری کتاب الاکراہ) اسی پر دال ہیں۔ ایسا سمجھنا کہ عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں مسلمانوں کی معاشی و معاشرتی حالت اخلاقی حالت سے کمتر تھی فساد قلب و نظر کے سوا کچھ نہیں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی حالات میں وہی حالت بہترین اور درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہو سکتی ہے جو عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں تھی۔ عہد خلافت راشدہ عہد نبوی کی ردف بھی تھا اور ظہور و تکمیل نعمت و برکت کے اعتبار سے تتمہ بھی۔

عہد نبوی کے بعد خلافت راشدہ میں .... وہ سارے کام ہوتے رہے جس کی امت مسلمہ بحیثیت فرد و اجتماعیت مکلف تھی اور وہ توازن بھی برقرار رہا جو بقول شاہ صاحب کے "باب المظالم، باب الحدود، باب القضا اور باب الجہاد" میں ہونا چاہیے تھا۔

عہد خلافت راشدہ کے بعد ان کاموں میں نہ صرف یہ کہ انحطاط واقع ہوا بلکہ توازن بھی برقرار نہیں رہ سکا۔

عہد خلافت و رحمت کے بعد کے دور سے متعلق فرمایا گیا:

الا ان الكتاب والسلطان سيفترقان۔ (الطبرانی عن معاذ)

ترجمہ: سنو! اللہ کی کتاب اور اقتدار و حکومت عنقریب دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔

عہد خلافت راشدہ کے بعد آنے والا یہ دور اصلاً کتاب اور سلطان کی آویزش کا دور ہے۔ جہاں اس

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) ان سے جزیہ لیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو ہر مذہب یکساں مرتبہ کا ہو جائیگا اور اسلام کا رجحان غالب ..... نہیں ہوگا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہوگا جو ان کی اسلام دشمنی پر لگام دے سکے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام امور کو چار ابواب کے تحت جمع کیا ہے، باب المظالم، باب الحدود، باب القضاء اور باب الجہاد۔"

آویزش کا اثر ان کاموں پر پڑا جن کا تعلق دارالاسلام سے ہے جو باب المظالم، باب الحدود اور باب القضاء سے متعلق ہیں وہیں ان کاموں پر بھی پڑا جن کا تعلق دارالکفر سے ہے جو باب الجہاد سے متعلق ہیں۔

دارالاسلام میں سیاسی، معاشی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی ہر اعتبار سے انحطاط کا آغاز ہوا اور اُمت شدید کشاکش کا شکار ہوتی چلی گئی۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا انہ سیکون علیکم امراء یقضون لکم، فان اطعتموھم یضلوکم، وان عصیتموھم قتلوکم۔ (الطبرانی عن معاذ بن جبل)

ترجمہ: سنو! تمہارے اوپر ایسے امراء اور حکام مسلط ہوں گے جو تمہارے لئے فیصلے کریں گے (قانون بنائیں گے) تو اگر تم نے ان کی بات مانی تو تمہیں ضلالت کی راہ پر ڈال دیں گے اور اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔

اہل حق کے لئے دین پر چلنا دشوار تر ہونے لگا۔ جس کی مخبر صادق نے خبر دی تھی:

یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر۔ (رواہ الترمذی عن انس بن مالک)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا زمانہ آئے گا کہ اپنے دین پر جما رہنے والا ایسا ہوگا گویا اس نے انگاروں کو مٹھیوں میں پکڑ رکھا ہے۔

غالباً یہی وہ بات ہے جو مسلم شریف میں یوں بیان کی گئی ہے:

العبادۃ فی الھرج کھجرۃ الیّ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ایسے پُرآشوب اور پُرفتن دور میں جب دین پر چلنا قتل و غارت گری کو دعوت دینا ہو، اللہ کے دین پر چلنا میری طرف ہجرت کے مانند ہے۔

وہیں دوسری طرف عامۃ الناس میں دین سے غفلت اور قلت تعلق کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ اعتقادی، فکری، عملی، معاشرتی سطح پر ایسے اعمال و افعال کا رواج ...... شروع ہوا جن کا دین میں کہیں پتہ نہیں تھا۔ اصول دین اور اعتصام بالکتاب والسنۃ کے بجائے لوگوں کا رجحان، بدعات، بے اعتدالی، مشتبہات اور بعض اوقات حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کر لینے کی طرف ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ ان تمام برائیوں کے پیدا ہونے کے اندیشے سچ ثابت ہونے لگے جن میں

گزشتہ قومیں ملوث ہوئیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قیل یا رسول اللہ الیھود والنصاری قال فمن۔ (متفق علیہ)	ترجمہ: تم لوگ ان لوگوں کے نقش قدم پر چل کر رہوگے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یہانتک کہ اگر ان میں سے کوئی کسی گوہ کے بل میں گھسا ہوگا تو تم بھی ان کی اتباع کروگے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ یہود و نصاریٰ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر کون۔

جہاں تک دارالکفر کا معاملہ ہے تو اس تفریق کتاب و سلطان کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ روح جہاد کمزور، غیر معتدل اور فساد آلودہ ہوگئی۔ اور دوسری طرف عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں الجہاد اور روح جہاد کے درجۂ کمال تک پہنچنے کے بعد جس کا تذکرہ حدیث شریف میں یوں آیا ہے:

ھلک کسریٰ فلا یکون کسریٰ بعدہٗ و قیصر لیھلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ ولتقسمن کنوزھما فی سبیل اللہ... (متفق علیہ)	ترجمہ: کسریٰ ہلاک ہوگیا اور اب اس کے بعد کسریٰ نہیں ہوگا۔ اور قیصر (منقریب) ضرور ہلاک ہوگا اور اس کے بعد قیصر نہیں ہوگا اور یقیناً ان دونوں کے خزانے راہ خدا میں تقسیم کئے جائیں گے۔

وہ دور انحطاط شروع ہوا جس میں اسلامی حیات کے ہر شعبے میں ــ فکری، اعتقادی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور ثقافتی جاہلیت کی در اندازی شروع ہوگئی جو تسلط کی شکل اختیار کر گیا۔ حدیث شریف میں غالباً اسی تسلط کی یوں خبر دی گئی ہے:

اذا مشت امتی المطیطیا وخدمتھم ابناء الملوک ابناء فارس والروم لسلط اللہ شرارھا علی خیارھا۔ (رواہ الترمذی باب الفتن)	ترجمہ: جب میری اُمت نرم و گداز قالینوں پر چلنے لگے گی اور شاہان روم و فارس کی اولادیں انکی خدمت کرنے لگیں گی تو اللہ ان کے بُرے لوگوں کو اچھے لوگوں پر مسلط کردے گا۔

اور یہ کیفیت اس درجہ غالب ہوئی — کہ نظام اسلام جو زمین پر غالب ہو چکا تھا پارہ پارہ ہو گیا فکری، اعتقادی، روحانی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی طور پر مسلمان اور اسلامی حمیت اس درجہ مغلوب ہو گئیں کہ مسلمان کافروں کے لیے لقمۂ تر اور ان کی ترکتازیوں کے لئے جولاں گاہ بن گئے۔ اغلباً اسی کی طرف حدیث شریف میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

یوشك امم ان تداعی علیکم کما تداعی الآکلة إلی قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن الله من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوهن قال قائل یارسول الله وما الوهن قال حب الدنیا وکراهیة الموت.	ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیں گی جیسے دسترخوان پر کھانے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیں۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہو گی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم تعداد میں کثیر ہو گے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے کوڑا کرکٹ اور جھاگ سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو گا کہ دشمن قوموں کے دل سے تمہارا رعب ختم ہو جائے اور تمہارے دل وہن کا شکار ہو جائیں۔ کسی نے پوچھا یارسول اللہ وہن کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

(رواہ ابوداؤد والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف آئندہ حالات سے آگاہ فرمایا بلکہ ہدایتہً وہ ساری باتیں ارشاد فرما دیں جن سے اہل ایمان، انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے حق پر قائم رہ سکیں، نظام حق قائم رکھیں یا ٹوٹ جانے کی صورت میں قائم کر سکیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ بحیثیت امت وسط شہداء علی الناس کا فریضہ انجام دے سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ایک قاعدہ کلیہ کا تعین فرما دیا:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ (متفق علیہ)	ترجمہ: جس نے میرے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ پائی جاتی ہو وہ قابل رد ہے۔

پھر فرمایا :

ألا إنَّ رحى الإسلام دائرة فدوروا مع الكتاب حيث دار۔ (الطبرانی عن معاذ)۔	ترجمہ : سنو! اسلام کی چکی گھوم رہی ہے۔ پس تم لوگ کتاب اللہ کے ساتھ رہو جدھر وہ جائے۔

آئندہ تفریق کی پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

ألا ان الكتاب والسلطان سيفترقان فلا تفارقوا الكتاب۔ (الطبرانی عن معاذ)	ترجمہ : سنو! اللہ کی کتاب اور سلطان عنقریب دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ تو تم لوگ کتاب اللہ کا ساتھ دینا۔

اس اصولی ہدایت کے بعد آپ نے عملی ہدایت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا :

۱؎ (حاشیہ صفحہ ۶۶ کا) اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں "یہ حدیث قاعدۂ عظیمہ ہے قواعد اسلام میں سے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع کلم میں سے ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام بدعتوں اور اختراعات کو مردود قرار دینے میں صریح ہے۔ امام بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک حدیث نقل کرتے ہوئے باب باندھتے ہیں : اذا اجتهد العامل او الحاكم فأخطأ خلاف الرسول صلى الله عليه وسلم من غير علم فحكمه مردود لقول النبي صلى الله عليه وسلم من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد"۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اصول اسلام میں سے معدود ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں کوئی ایسی نئی بات جس کی اصل شہادت موجود نہ ہو، قابل التفات ہے۔ اگرچہ علما کی کثیر تعداد وسائل کو اس بدعت میں داخل نہیں سمجھتی لیکن جو ایسا خیال رکھتے ہیں ان کا اس سے قطعاً مراد یہ نہیں کہ وسائل دین کے نام پر تبلیغ لعینہ، تبلیغ بغیرہ یا دوسری کراہیتوں کا لحاظ ہی نہ رکھا جائے یا انہیں داخل حسنات کرنے کے لئے ان کی بے جا تاویل کی جائے۔ لیکن وہیں ان حضرات کی رائے بھی بے حد وزنی ہے جو کہتے ہیں کہ اس بدعت حسنہ کو بھی ترک کر دینا چاہئے جس کی روشنی خواہ صبح کی طرح روشن ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ بدعت بہرحال سنت کو ختم کر دینے والی ہوتی ہے اور وہ اس پر اصرار فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں کہ آسان سے آسان سنت کی پیروی مثلاً بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے بایاں پاؤں رکھنا بھی اولیٰ ہے عظیم الشان سے عظیم الشان بدعت حسنہ کرنے سے۔ (انجاح الحاجۃ)

فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، عضوا علیھا بالنواخذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ:	(ترجمہ: سنو! تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے راشد و مہدی خلفا کی سنت کی پیروی کرو۔ انھیں (یعنی سنت کو) اپنے دونوں داڑھوں سے پکڑے رہو۔ خبردار! دین میں تمام نئی باتیں بدعت ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)

اور اس سلسلے میں مزید تشریح فرماتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔

من کان مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولائک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوباً و اعمقھا علماً واقلھا تکلفاً اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔	ترجمہ: جو کوئی کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہو وہ مرنے والے کے نقش قدم پر چلے اس لئے کہ زندہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا۔ مرنے والے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ اس امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کا قلب زیادہ پاک تھا، ان کا علم زیادہ گہرا تھا۔ ان میں کم سے کم تکلف تھا۔ اللہ نے انھیں اپنے نبی کی معیت کے لئے منتخب کیا اور اپنے دین کی اقامت کے لئے۔ پس تم لوگ ان کے فضل کو پہچانو۔ ان کے نقش قدم پر چلو۔ جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت سے چمٹے رہو۔ بیشک وہ ہدایت کی سیدھی راہ پر تھے۔

(رواہ رزین بحوالہ مشکوٰۃ)

ان مثبت ہدایات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسی چیزوں کی نشاندہی فرمائی جن سے بہر صورت پرہیز لازم ہے۔

اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روش پر سختی سے نکیر فرمائی ہے کہ امت نبی کی سنت کو ترک کر دے یا اسے قابل اعتنا نہ سمجھے یا اس سے براہ راست یا بالواسطہ صرف نظر کرنے کی کوشش کرے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من نبي بعثه الله في امته قبلي إلّا كان لهٗ من امته حواريون واصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بامره، ثم انها تخلفُ من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون .... (رواہ مسلم)

ترجمہ: مجھ سے پہلے کوئی نبی کسی اُمت میں اللہ نے ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی اُمت میں ایسے حواری اور لوگ ہوئے جنھوں نے اس نبی کی سنت کی پیروی کی اور اس کے حکم پر چلے۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ آگئے جو ایسی بات کہتے جو کرتے نہیں تھے اور ایسا کام کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

دوسری جگہ فرمایا:

لا الفين أحدكم متكئا علىٰ أريكته يأتيه الامر من امري مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول: لا ادري ما وجدناه في كتاب الله اتبعناه۔ (رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: میں نہ پاؤں تم میں سے کسی کو ایسا کہ وہ تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور اس کے سامنے کوئی ایسی بات آئے جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو یا جس سے میں نے منع کیا ہو اور وہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ کتاب اللہ میں جو کچھ ہمیں ملتا ہے ہم اس کی پیروی کریں گے۔

ثانیاً اس روش سے منع فرمایا جسے تشدد کہا جا سکتا ہے یعنی اسلامی احکامات اور زندگی کو جو عدل وقسط کے ساتھ قائم ہے بدل کر ایک ایسے اسلام پر چلنے کی ترغیب دینا جس میں اعتدال نہیں۔ واضح ہو کہ جو اعمال و اشغال سنت سے ثابت ہیں وہ سب اعتدال پر قائم ہیں۔ فرمایا گیا:

لا تشددوا على انفسكم فيشدد الله عليكم۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کو نافذ کردے۔

ثالثاً دین میں تعمق کرنے سے منع فرمایا ہے: تعمق تفقہ نہیں۔ تفقہ ایمان کو راسخ کرتا ہے جب کہ تعمق متشکک بناتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابال اقوام یتنزھون عن الشئ اصنعہ فواللہ إنی لا علمھم باللہ واشدھم خشیۃ لہٗ۔ (متفق علیہ۔ بروایت حضرت عائشہؓ)

ترجمہ: اُس قوم کا کیا حال ہوگا جو ان امور سے اعراض کرے جنھیں میں نے بتایا ہے۔ خدا کی قسم میں ان سب سے زیادہ اللہ سے واقف ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا:

ماضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ إلا أوتوا الجدل۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

ترجمہ: کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر یہ کہ جدل کو مشغلہ بنا کر۔

رابعاً دین کو خلط ملط کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاری؟ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولوکان موسیٰ حیاً لما وسعہ إلا اتباعی۔

(رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: کیا تم لوگ بھی اسی طرح حیران و سرگرداں ہوگئے جیسا یہودی اور نصاری ہوگئے؟ بلاشبہ میں تمہارے پاس واضح اور خالص دین لیکر آیا۔ اگر اس وقت موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔

اور فرمایا کہ:

ابغض الناس من ھو مبتغ فی الإسلام سنۃ الجاھلیۃ (رواہ البخاری)

ترجمہ: لوگوں میں سب سے زیادہ بغض والا وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا خواہش مند ہو۔

اس اعتبار سے انتظام دین منحصر ہے اتباع سنت نبویؐ پر اور اسلام کا عالمگیر نظام منحصر ہے انقیاد خلافت پر۔ اور ان دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے اگر دین کی حفاظت کی گئی تو امت فی الواقع امت وسط کی حیثیت سے اپنا فریضہ انجام دے سکے گی اور نظام عالم انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر اعتدال و قسط پر قائم رہ سکے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لھم خطاً ثم قال: ھذا

ترجمہ: (ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے) آپؐ نے (اپنے ہاتھ سے زمین پر)

سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینہ وعن شمالہ وقال : ھذہ سبل علی کل سبیل منھا شیطان یدعوا الیہ وقراء (إن ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ)

ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا ۔ یہ خدا کا راستہ ہے ۔ پھر اس سیدھے راستے کی بائیں طرف خطوط کھینچے اور کہا : یہ سب راستے وہ ہیں جن کی طرف شیطان بلاتا ہے ۔ اور پھر آپ نے تلاوت فرمائی (ان ھذا صراطی مستقیماً ....
....
... عن سبیلہ)

(رواہ احمد ونسائی ودارمی)

یہ ہے قرآن وسنت کے مطابق تصور زمان ومکان جس پر یہ دنیا قائم ہے : یہی وہ اٹل قانون ہے جس کا ذکر قرآن میں یوں فرمایا گیا ہے :

اَلا لَہُ الخلق والامرَ (اعراف ۵۴) ترجمہ : خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔

اب جہاں تک معاصر جاہلی تہذیب اور اس کی سرکشی اور ہلاکت خیزیوں کی بات ہے تو اسلام اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ زمین، زمین پر قائم شہر، گاؤں، حکومت، تہذیب اور گروہ سب کا زندہ رہنا اور ہلاک ہوجانا اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ہے ۔ معاصر تہذیب اپنی ہلاکت خیزیوں اور اسلحہ جات کے باوجود زمین اور اہل زمین کو ہلاک نہیں کرسکتی ۔ ہاں اللہ خود ان کی ہلاکت خیزیوں کو ان کے لئے باعث ہلاکت بنا ڈالے گا۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے :

الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل ۔ الم یجعل کیدھم فی تضلیل وارسل علیھم طیراً ابابیل ۔ ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول ۔ (الفیل)

ترجمہ : کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ؟ کیا اس نے انکی تدبیر اکارت نہیں کردیا اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر ان کا یہ حال کردیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا۔

اللہ تعالیٰ سرکشی کرنے والوں کو ایک خاص مدت تک مہلت دیتا ہے پھر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے :

اولم یسیروا فی الارض فینظروا	ترجمہ : کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں
کیف کان عاقبۃ الذین کانوا	ہیں کہ انھیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے
من قبلھم کانوا ھم اشد	پہلے گزر چکے ہیں ؟ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے
منھم قوۃ و اٰثاراً فی الارض	اور ان سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ
فاخذھم اللہ بذنوبھم	گئے ہیں مگر اللہ نے ان کے گناہوں پر انھیں
وماکان لھم من اللہ من واق.	پکڑ لیا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

(المومن ۲۱)

دوسری جگہ فرمایا گیا :

افلم یسیروا فی الارض فینظروا	ترجمہ : پھر کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں
کیف کان عاقبۃ الذین من	ہیں کہ ان کو اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے
قبلھم کانوا اکثر منھم واشد	پہلے گزر چکے ہیں ؟ وہ ان سے تعداد میں زیادہ
قوۃ و اٰثاراً فی الارض فما	تھے ، ان سے بڑھ کر طاقتور تھے اور زمین میں
اغنی عنھم ما کانوا یکسبون.	ان سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے ہیں ۔ جو کچھ
(المومن ۸۲)	کمائی انھوں نے کی تھی آخر وہ ان کے کس کام آئی ؟

لیکن اس سلسلے میں بھی اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ کسی قوم پر حجت قائم کیے بغیر ہلاک نہیں لاتا :

وماکان ربک مھلک القری	ترجمہ : اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے
حتی یبعث فی اُمھا رسولاً	والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک
یتلوا علیھم اٰیاتنا وما	رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔
کنا مھلکی القری الا واھلھا	اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب
ظالمون . (القصص ۵۹)	تک کہ ان کے رہنے والے ظالم نہ ہو جاتے ۔

اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ظالموں کے سامنے بلاغ مبین ہو اور وہ اسے صاف ٹھکرا دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ذلك بانهم كانت تاتيهم رسلهم بالبينات فكفروا۔ (المومن ۲۲)	ترجمہ : یہ ان کا انجام اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کر آئے اور انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا :

فلمّا جاءتهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم وحاق بهم ما كانوا به يستهزؤن (المومن ۸۳)	ترجمہ : جب ان کے رسول ان کے پاس بینات لے کر آئے تو وہ اسی علم میں مگن رہے جو ان کے اپنے پاس تھا اور پھر اسی چیز کے پھیر میں آ گئے جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

اور جب اللہ کا امر آجاتا ہے تو وہ ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جو وہاں موجود ہوتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو زمین پر حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کر رہے ہوں۔ اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں یعنی مشرکین، کافرین، متربصین، مذبذبین یہاں تک کہ ایسے زہاد بھی جو باہر پھیلی خرابی سے مطلق تعارض نہیں کرتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فانجيناهُ والذين معهٗ برحمة منا وقطعنا دابر الذين كذبوا بآيتنا وما كانوا مومنين۔ (اعراف ۷۲)	ترجمہ : آخر کار ہم نے اپنی مہربانی سے ہود اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے تھے اور ایمان لانے والے نہ تھے۔

کتاب اللہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور قانون زمان ومکان کا جائزہ لینے اور معاصر تہذیب کی صورتحال کا احاطہ کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج امت مسلمہ اپنا رول کس طرح ادا کرے۔ جہاں تک اس اُمت کے فرض منصبی کا تعلق ہے وہ شہادت علی الناس کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن سوال اُٹھتا ہے کہ آخر یہ شہادت کس طرح دی جائے جس سے مطلوبہ مقصود حاصل ہو۔ شہادت علی الناس کے لئے کسی ماڈل یا نمونے کو پیش کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سلسلے

میں چند تمہیدی امور کا ذکر کر دیا جائے جن کی حیثیت شرائط کی ہیں - وہ امور درج ذیل ہیں :

(۱) معاصر تہذیب ہر پیشرو باطل تہذیب کی طرح ایک مخصوص نہج پر جاری ہے - اپنے لوازمات وار تقاقات کے ساتھ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں دو امور میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر ہے - یا تو اطاعت کی روش اختیار کر کے وہ تہذیب ایک نئی زندگی شروع کرے یا موجودہ روش پر برقرار رہتے ہوئے تباہ ہو جائے -

(۲) آج اُمت مسلمہ کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حقیقی اسلام کی طرف لوٹ کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے جس کی ساری ترجیحات قرآن و سنت کی متعین کردہ ہوں -

(۳) امت پر اس بات کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ روئے زمین پر موجود تمام دیگر معاشروں کو انھیں ترجیحات کی طرف بلائے -

(۴) شق نمبر ۲ اور ۳ کی ادائیگی کرتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کے لئے ناممکن ہے کہ وہ معاصر تہذیب اور اس کے لوازمات کی نقالی کرے یا اس کے سائے میں متوازی تشکیلات کا تصور کرے - ایسا کرنا منطقی اور تاریخی ہی نہیں بلکہ ہر اعتبار سے غلط ہوگا ۔ نظام کسریٰ و قیصر پر اسلام کا غلبہ معروف معنوں میں تہذیبی لوازمات کے میدان میں مسابقت سے حاصل نہیں ہوا ۔ ہر چند کہ دیکھتے دیکھتے اسلام زندگی کے جملہ امور پر محیط ہو گیا -

ان تمہیدی اُمور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شہادت علی الناس کے لئے درج ذیل نمونہ پیش کیا جاتا ہے :

اس نمونہ کے دو پہلو ہیں : (۱) داخلی پہلو اور (۲) خارجی پہلو

دونوں پہلو اپنی اپنی جگہ اپنے مخصوص نصب العین سے مربوط ہوں گے - داخلی پہلو کا نصب العین "فکری ، سیاسی ، معاشی اور ثقافتی (علمی ، معاشرتی اور تمدنی) استقلال یا آزادی کا حصول" ہونا چاہیئے - اور خارجی پہلو کا نصب العین "فکری ، سیاسی ، معاشی اور ثقافتی آزادی دلانا" ہونا چاہیئے -

مذکورہ دونوں اہداف کے حصول کی روح درج ذیل نصوص میں مذکور ہے :

داخلی پہلو کے نصب العین کی روح ہے :

یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوٰت الشیطان، انہ لکم عدو مبین (البقرہ ۲۰۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسی طرح خارجی پہلو کی روح ہے:

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوات والارض لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (الاعراف ۱۸۵)

ترجمہ: کہو، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس اس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولِ امی پر جو (خود) اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے احکامات پر، اور اس رسول کا اتباع کرو، تاکہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

شہادت علی الناس

شہادت علی الناس

(بحیثیت امت مسلمہ اور امت وسط ہونے کے ہمارا بنیادی اور اصل وظیفہ نہ معاصر تہذیب کو زیر کرنا ہے نہ اس کے بالمقابل ایک تہذیب کھڑی کرنا ہے نہ اس کی شان و شوکت اور ترقی سے مسابقت کرنی ہے نہ ان کے ساتھ مل کر نظام عالم چلانا ہے بلکہ ہمارا اصل وظیفہ تو شہداء علی الناس ہونا ہے۔ اگر ہم نے اپنے اس وظیفہ کو بھرپور اور کما حقہ' ادا کیا تو ہم ان نصرتوں اور نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے جن کا وعدہ اللہ نے فرمایا ہے اور جس کے تحت اللہ اپنے دین کو غالب کر دے گا' ہمیں زمین کا وارث بنادے گا' زمین پر تمکن عطا فرمائے گا اور خوف کے بعد امن نصیب فرمائے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری اُخروی زندگی فلاح سے ہمکنار کر دی جائے گی۔)

(سوال کیا جاسکتا ہے کہ ہم شہداء علی الناس کیسے بنیں؟ وہ کیا طریقہ کار ہو جس سے یہ مراد حاصل ہو؟)

بیسویں صدی کی نویں دہائی کی دہلیز پر یہ سوال اور بھی اہمیت کا حامل ہے۔ موجودہ صورتحال میں اس کا جواب یہ ہے کہ شہداء علی الناس بننے کے پہلے نصف کے حصول کے لئے ہمیں وہ لازمی فریضہ بہرحال انجام دینا ہے جو ذیل میں درج ہے' یعنی:

(ہر خطے میں اقامتِ دین کرنا۔)

ہر خطے میں اقامت دین کا مطلب یہ ہے کہ کسی تفریق و تقسیم کے بغیر دین حنیف کی مخلصانہ پیروی کی جائے اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو کر کی جائے اور انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام پہلوؤں میں اسے اس طرح جاری و نافذ کیا جائے کہ فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر سب کچھ اسی دین کے مطابق ہو یہاں تک کہ زمین پر خلافت عامہ قائم ہو جائے۔

اقامت دین وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی قیادت میں قائم ہونے والا دین اللہ تعالیٰ کی ہدایت، نصرت، فتح اور رضا کے ساتھ قائم ہوا۔ وہی ہدایت قرآن اور سنت کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور ہم بحیثیت امت مسلمہ اسی اقامتِ دین کے مکلف، اسی طریقہ کار کے لئے مامور اور اسی ہدایت، نصرت، فتح اور رضا کے طالب ہیں۔ اس کام کے سوا کسی اور کام کے ہم مکلف نہیں، اس طریقہ کار کے سوا کسی اور طریقہ کار کے ہم پابند ہیں اور نہ اس ہدایت، نصرت، فتح اور رضا کے سوا کسی اور ہدایت، نصرت، فتح اور رضا کے طالب۔ چنانچہ ہم میں سے جو اپنے آپ کو ان کے سوا کسی اور بات کا مکلف، کسی اور طریقہ کار کا مامور اور کسی اور ہدایت، نصرت، فتح اور رضا کا طالب سمجھتا ہے وہ اس دین سے نہیں۔ یہی وہ بات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (متفق علیہ)
ترجمہ: جس نے میرے طریقے کو ناپسند اور ترک کیا وہ مجھ سے نہیں۔

یوں تو قرآن پاک سراپا ہدایت، رحمت اور شفا ہے۔ لیکن نظم قرآن، تنزیل قرآن، تنزیل وحی، تعمیل نبوی اور تدریج نبوی میں غور و فکر کے نتیجے میں جو بات بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گویا اپنی نگاہوں کے سامنے اور اپنی ہدایت حقہ کے عین مطابق: فأوحينا اليه أن اصنع الفلك بأعيننا و وحينا۔ (المومنون ۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اپنے دین کی اقامت فرمائی، دین کی تکمیل فرمائی، اپنی نعمت کا اتمام فرمایا اور لوگوں کے لئے اسلام بحیثیت دین سے راضی ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واصبر لحكم ربك فانك باعيننا (الطور ۴۸)
ترجمہ: اپنے رب کے حکم کی تعمیل پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہو تم ہماری نگاہوں میں ہو (ہم تمہاری نگہبانی کر رہے ہیں)۔

اور اسی سلسلے میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص نمونوں کا حکم فرمایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنزیل وحی کی روشنی میں ان نمونوں کو روبہ عمل لا کر اللہ کے حکم کی تعمیل فرمائی لہٰذا یہ نمونے ہمارے لئے بھی اس کام کے لئے نمونے ہیں۔

ذیل میں یہ نمونے مرحلوں کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔ ہر مرحلہ دو شعبوں میں منقسم

ہے پہلا شعبہ ہے باطنی اور دوسرا شعبہ ہے ظاہری۔

اس مجموعہ کی حیثیت اکمل کی ہے لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اس مجموعہ کی تکمیل سے قبل یا ہر جز کی الگ الگ تکمیل سے قبل یا بعض اجزا کی بدیر اور بعض کی بسرعت تکمیل کے بعد اقامت دین ہو جائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ اس مجموعہ کی کماحقہ تکمیل کے بعد بھی اقامت دین نہ ہو پائے۔ جہاں یہ بات قطعاً نہیں کہی جاسکتی کہ اس مجموعہ کی تکمیل میں کتنی مدت درکار ہے۔ وہیں یہ بات قطعیت سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر اس مجموعہ کی تکمیل اسی طریقہ سے ہو جس طرح عہد نبوی میں ہوئی تھی تو اقامت دین کی تکمیل کی مدت عہد نبوی سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ بلا شبہ یہ بات صحیح ہے کہ آج نہ رسول اللہ کی قیادت جیسی قیادت ہوسکتی ہے اور نہ ہی اصحاب رسول جیسی مقتدیت۔ تو وہیں یہ بات بھی باور کر لینی چاہیے کہ آج عہد رسالت کے طاغوت کی طرح نہ تو طاغوت ہوسکتا ہے نہ ہی ائمۃ الکفر کی طرح اسکے پیروکار۔ اور ایسا نہ مانا جائے تو بندوں پر اللہ کی حجت پوری نہیں ہوگی۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے بندوں پر اپنی حجت پوری کردی ہے۔ یہی وہ بات ہے جسے بیان فرماتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم و اسمعیل و اسحق ویعقوب والاسباط وعیسی وایوب ویونس وھارون وسلیمان واتینا داود زبورا۔ ورسلا قد قصصنھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسی تکلیما۔ رسلا مبشرین ومنذرین

ترجمہ : اے محمدؐ، ہم نے تمہاری طرف اس طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ اسماعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا ہم نے موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ سارے رسول خوش خبری دینے

لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزاً حکیما۔ (النساء ۱۶۳-۱۶۵)

والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہرحال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔

ہاں اس ذیل میں ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی کام یا کسی کام کے کسی جزء کے کرنے کی احسن صورت کیا ہو سکتی ہے، اور کسی عمل پر صبر اور استقامت کا میزان کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات افراد اور اجتماعیات کسی کام کو کما حقہٗ نہیں کر پاتیں اور یہ گمان کر بیٹھتی ہیں کہ انہوں نے اسے پورا کر لیا ہے اور پھر یا تو نتیجہ برآمد نہ ہونے کی شکل میں مایوس ہو جاتی ہیں یا دوسری راہ تجویز کر لیتی ہیں جب کہ کبھی اس کے پیچھے محض لاعلمی ہوتی ہے کبھی عجلت اور کبھی ضعف وہن اور استکانت۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اقامتِ دین کی احسن صورت تو وہی ہے جو حیات طیبہ میں ملتی ہے۔ اور اس کے کسی بھی جزء کی احسن صورت وہی ہے جس کی ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی اور آپؐ نے اس کی تکمیل فرمائی۔ مثلاً اقامت دین کے سب سے اہم جزء یعنی دعوت کی کما حقہٗ صورت وہی ہے جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے:

بلاغٌ فھل یُھلکُ الّا القومُ الفٰسقُون۔ (الاحقاف ۳۵)

ترجمہ: بات پہنچا دی گئی۔ اب کیا نافرمان لوگوں کے سوا اور کوئی ہلاک ہو گا۔

اور یہ بلاغ مبین کس طرح ہوتا ہے اس کا نمونہ خود باری تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت نوحؑ کے حوالے سے اس طرح پیش فرمایا کہ اس میں حق اور اس کی کامیابی پر یقین، باطل اور اس کی ناکامی پر یقین، اللہ کا خوف، لوگوں کو بچا لینے کی تڑپ، اللہ کی رحمت اور مغفرت کا یقین سب کچھ پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) قال یٰقوم انی لکم نذیرٌ مبین ۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لئے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا پیغمبر ہوں۔

(۲) ان اعبدوا اللہ واتقوہ واَطیعون ۔ تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(الف) یغفر لکم من ذنوبکم ۔ اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

(ب) ویؤخرکم إلیٰ اجل مسمّی ۔ اور تمہیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا۔

اور وہ ساری مدت یہی کہتے رہے ۔

(۱) قال رب انی دعوت قومی لیلاً ونهاراً ۔ اُس نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو شب و روز پکارا۔

(الف) فلم یزدہ دعاءی إلّا فراراً ۔ مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔

(ب) وانی کلما دعوتهم لتغفر لهم ۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تاکہ تو انھیں معاف کردے۔

(i) جعلوا اصابعهم فی أذانهم ۔ انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

(ii) واستغشوا ثیابهم ۔ اور اپنے کپڑوں سے مُنھ ڈھانک لئے۔

(iii) واصرّوا استکبروا استکباراً ۔ اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔

(۲) ثم انی دعوتهم جهاراً ۔ پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی۔

(۳) ثم انی اعلنتُ لهم ۔ پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی۔

(۴) واسررتُ لهم اسراراً ۔ اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔

لیکن حضرت نوحؑ نے اللہ سے فریاد کی :

(۱) قال نوح رب (i) انهم عصونی ۔ نوحؑ نے کہا میرے رب انھوں نے میری بات رد کردی۔

(ii) واتبعوا من لم یزدہ مالهٗ وولدهٗ إلّا خساراً ۔ اور ان (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پاکر اور نامراد ہوگئے۔

(iii) ومکروا مکراً کباراً ۔ ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا تھا۔

اور یہ سارا دعوتی سلسلہ تھوڑی مدت جاری نہیں رہا بلکہ ایک نبی کی پوری عمر پر محیط ہوگیا۔ قرآن میں آتا ہے:

ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومه فلبث فیهم الف سنة إلّا خمسین عاماً ۔ (العنکبوت)

ترجمہ : "ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ پچاس کم ایک ہزار برس ان کے درمیان رہا۔"

اور جہاں تک صبر و استقامت کی بات ہے تو اس کا میزان وہ بات ہوسکتی ہے جس کی تلقین خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی۔ کہا گیا :

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ (احقاف ۳۵)

ترجمہ : پس اے نبی صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔)

اس کی تشریح فرماتے ہوئے امام بیضاوی فرماتے ہیں :

اولوا الثبات والجد منهم، فانك من جملتهم، ومن للتبيين، و اولوا لعزم اصحاب الشرائع اجتهدوا في تاسيسها وتقريرها، وصبروا على تحمل مشاقها و معاداة الطاعنين فيها، ومشاهيرهم نوح .... وابراهيم و موسیٰ وعیسیٰ وقیل الصابرون علیٰ بلاء الله تعالیٰ، کنوح صبر علیٰ اذی قومه کانوا یضربونه حتی یغشی علیه، وابراهیم علی النار وذبح ولدهٗ، والذبیح علی الذبح ویعقوب علیٰ فقد الولد والبصر ویوسف علی الجب والسجن وایوب علی الضر وموسیٰ قال لهٗ قومهٗ انا المدرکون قال کلا ان معی ربی سیهدین وداود بکی علیٰ خطیئة اربعین سنة و عیسیٰ لم یضع لبنة علی لبنة۔

ترجمہ : ان انبیاء میں جو اولوالثبات تھے یا جنھوں نے کوشش اور سعی کرنے کی انتہا کردی وہ تمام اس میں شامل ہیں۔ اور من تبعیین کے لئے آیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تبعیض کے لئے یہاں اولوالعزم سے مراد وہ اصحاب شریعت ہیں جنھوں نے اسے قائم کرنے اور بحال رکھنے کی سعی فرمائی اور اس راہ میں جو مشکلات آئیں ان کو برداشت کیا اور ڈٹے رہے اور عناد رکھنے والوں کی دشمنی کو انگیز کیا۔ ان میں مشہور حضرت نوح ... ابراہیم موسیٰ عیسیٰ ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان سے مراد وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آئیں اور وہ ثابت قدم رہے۔ مثلاً حضرت نوح جنھوں نے ان تکلیفوں پر صبر کیا جو ان کی قوم نے انھیں پہنچائیں یہاں تک کہ عذاب نے بالآخر اس قوم کو ڈھانک لیا، یا حضرت ابراہیم جو آگ اور بیٹے کے ذبح کرنے کی آزمائش میں ڈالے گئے اور صبر کیا اور ثابت قدم رہے، یا خود حضرت اسمٰعیلؑ جنھیں ذبح ہونے کی آزمائش میں ڈالا گیا۔ یا حضرت یعقوبؑ جنھیں بیٹے کے گم ہونے اور بصارت کے چلی جانے کی آزمائش میں ڈالا گیا یا حضرت یوسفؑ جنھیں کنویں اور زندان کی آزمائش میں ڈالا گیا اور حضرت ایوب جنھیں بیماری اور تکلیف کی

آزمائش میں ڈالا گیا اور حضرت موسیٰؑ جن سے قوم نے شکایت کی کہ ہم تو پکڑ لیے گئے اور انہوں نے فرمایا ہرگز نہیں بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے اور یقیناً ہمیں راہ دکھائے گا۔ اور داؤدؑ جو اپنی خطا پر چالیس سال تک روتے رہے اور حضرت عیسیٰؑ جن کی کوئی رہائش گاہ نہ تھی۔

اِن تنقیحات کے بعد مذکورہ نمونے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :

(۱) مرحلۂ اولیٰ : جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہر مرحلہ دو شعبوں پر مشتمل ہے۔ پہلا شعبہ باطنی ہے۔ اور دوسرا ظاہری۔ ہر مرحلے میں باطنی شعبے کو اولیت حاصل ہے۔ یہ اولیت زمانی بھی ہے اور اہمیت یعنی فوقیت کے اعتبار سے بھی۔ مزید غور و فکر اور عملیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ارادۃً اختصار سے کام لیا گیا ہے جس کی افادیت اہل علم پر ظاہر ہے۔

(الف) مرحلۂ اولیٰ باطن :

(۱) قراءۃ اولیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اقراء باسم ربك الّذی خلق۔ خلق الانسان من علق (العلق ۱-۲) ترجمہ : پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔

(۲) قراءۃ اخریٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اقراء وربك الاکرم۔ الّذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم (العلق ۳-۵)۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

(۳) اقامت اولیٰ یا اقامت لیل ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یایھا المزمل۔ قم الیل الّا قلیلا۔ نصفه اوانقص منه قلیلا۔ اوزد علیه (المزمل ۱-۴) اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو۔

(۴) ترتیل : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ورتل القرٰان ترتیلا۔ ان سنلقی علیك قولًا ثقیلا۔ ان ناشئة الیل هی اشد وطأ واقوم قیلا۔ ان لك فی النهار سبحا طویلا۔ (المزمل ۴-۷) اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اور صاف صاف پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس کو

قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے ۔ دن کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیات ہیں۔

(۵) ذکر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : واذکر اسم ربک (المزمل ۸)
اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو۔

(۶) تبتل : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وتبتل الیہ تبتیلا (المزمل ۸)
اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

(۷) اتخاذ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا (المزمل ۹) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے' لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو۔

(۸) صبر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : واصبر علیٰ ما یقولون (المزمل ۱۰)
اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو۔

(۹) ہجرت : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : واھجرھم ھجراً جمیلا (المزمل)

(ب) مرحلۂ اولیٰ ظاہر :

(۱) اقامت اخریٰ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یایھا المدثر۔ قم (المدثر ۱-۲)
اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اُٹھو۔

(۲) انذار : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : فانذر (المدثر ۲) اور خبردار کرو۔

(۳) تکبیر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وربک فکبر (المدثر ۳) اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔

(۴) تطہیر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وثیابک فطھر (المدثر ۴) اور اپنے کپڑے پاک رکھا کرو۔

(۵) ہجرت : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : والرجز فاھجر (المدثر ۵) اور گندگی سے دور رہو۔

(۶) ضبط : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ولا تمنن تستکثر (المدثر ۶)
اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لئے ۔

(۷) صبر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ولربک فاصبر۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

(۲) مرحلۂ ثانیہ :

(الف) مرحلۂ ثانیہ باطن :

(۱) عفو : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : خذ العفو (الاعراف ۱۹۹) اے نبی! نرمی و درگذر کا طریقہ اختیار کیجئے۔

(۲) امر بالمعروف : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وامر بالمعروف (الاعراف ۱۹۹) معروف کی تلقین کئے جائیے۔

(۳) اعراض : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : واعرض عن الجاھلین (الاعراف ۱۹۹)
اور جاہلوں سے نہ الجھئے۔

(۴) استعاذ باللہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

واما ینزغنك من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم ۔ ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطن تذکروا فاذا ھم مبصرون ۔ واخوانھم یمدونھم فی الغی ثم لا یقصرون ۔ واذا لم تاتیھم بایة قالوا لولا اجتبیتھا قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی ۔ ھذا بصائر من ربکم وھدی ورحمة لقوم یومنون ۔ واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف ۲۰۰-۲۰۴)

"اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے ۔ رہے ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند تو وہ انہیں ان کی کج روی میں کھینچے لئے چلے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے ۔ اے نبی! جب تم ان لوگوں کے سامنے کوئی نشانی (معجزہ) پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے لئے کوئی نشانی کیوں نہ انتخاب کر لی؟ ان سے کہو میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو

اسے قبول کریں ۔ جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو ۔
شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے ۔

(۵) ذکر : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخفیة ودون الجهر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین ۔ ان الذین عند ربك لا یستکبرون عن عبادته ویسبحونه وله یسجدون ۝ السجدة (الاعراف ۲۰۵-۲۰۶)

اے نبیؐ! (آپ ہر ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے شخص) اپنے رب کی یاد کیا کرو، اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہل غفلت میں شامل مت ہو جاؤ ۔ جو فرشتے تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آکر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کے آگے جھکے رہتے ہیں ۔

(ب) مرحلۂ ثانیہ ظاہر :

(۱) انذار : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : المص ۔ کتاب انزل الیك فلا یکن فی صدرك حرج منه لتنذر به ۔ (الاعراف ۱-۲) ا ۔ ل ۔ م ۔ ص ۔ یہ ایک کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے ۔ پس اے نبیؐ آپ کے دل میں اس سے کوئی جھجک نہ ہو ۔ اسکے اتارنے کی غرض یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے (منکرین کو) ڈراؤ ۔

(۲) تذکیر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وذکری للمومنین (الاعراف ۲)
اور ایمان لانے والے لوگوں کی یاد دہانی ہو ۔

(۳) اتباع : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم (الاعراف ۳)
لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسکی پیروی کرو ۔

(۴) اتباع معکوس : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ولا تتبعوا من دونه اولیاء قلیلا ما تذکرون (الاعراف ۳)
اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو ۔
مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو ۔

(۳) مرحلہ ثالثہ :

(الف) مرحلہ ثالثہ باطن :

(۱) توبہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : التآئبون (التوبۃ ۱۱۲) اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے۔

(۲) عبادت : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : العابدون (التوبۃ ۱۱۲) اللہ کی عبادت کرنے والے۔

(۳) تحمید : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الحامدون (التوبۃ ۱۱۲) اللہ کی حمد کرنے والے۔

(۴) جہاد بالنفس والسیف : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : السائحون (التوبۃ ۱۱۲) روزہ رکھنے والے

(۵) رکوع : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الراکعون (التوبۃ ۱۱۲) اللہ کے آگے رکوع کرنے والے۔

(۶) سجدہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الساجدون (التوبۃ ۱۱۲) اللہ کے آگے سجدہ کرنے والے۔

(۷) امر بالمعروف : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الآمرون بالمعروف (التوبۃ ۱۱۲) نیک باتوں کا حکم کرنے والے۔

(۸) نہی عن المنکر : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : والناھون عن المنکر (التوبۃ ۱۱۲) بدی سے روکنے والے۔

(۹) حفظ حدود : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : والحافظون لحدود اللہ (التوبۃ ۱۱۲) اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے۔

(۱۰) بشارۃ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وبشر المومنین (التوبۃ ۱۱۲) اے نبیؐ! ان مومنوں کو خوشخبری دیدیں۔

(ب) مرحلہ ثالثہ ظاہر :

(الف) قتال : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔

(التوبۃ ۲۹)

جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن رہیں۔

(ب) براءۃ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا : براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر واعلموا انکم غیر معجزی اللہ وان اللہ مخزی الکفرین۔ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس

یوم الحج الاکبر ان اللہ بری من المشرکین۔ ورسولہ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم۔ الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم .... خالدین فیھا ابداً۔ ان اللہ عندہ اجر عظیم (التوبۃ ا تا ۲۲)

اعلان براءۃ ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کئے تھے۔ پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ کہ اللہ منکرین حق کو رسوا کرنے والا ہے۔ اطلاع عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن تمام لوگوں کے لئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی .... ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے۔

(۴) مرحلۂ رابعۃ :

(الف) تسبیح
(ب) تحمید
(ج) استغفار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذا جآء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔ (النصر)

جب نصر اللہ اور الفتح آپہنچے اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج دین اللہ میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تمسک بالکتاب والسنۃ کی توفیق دے تاکہ وہ شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دے سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اصطلاحات

الف

آلودگی .... انسانی اعمال کے ذریعہ، فطری ماحول میں، لائی گئی ناپسندیدہ طبعی کیمیادی یا حیاتیاتی تبدیلی جو ذی روح اور غیر ذی روح کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے آلودگی کہلاتی ہے۔ عام آلودگی مٹی، ندیوں، سمندروں یا ماحولیات کو متاثر کرتی ہے۔ عام آلودگی کے علاوہ آلودگیوں میں، صوتی، حرارتی، ریڈیو ایکٹو آلودگی قابلِ ذکر ہیں۔

ابتدائی اشتمالیت ...... بعض مفکرین کے نزدیک انسانی معاشرے کی اس تصوراتی ابتدائی صورتِ حال کو ابتدائی اشتمالیت کہا جاتا ہے جب ان کے مطابق انسانی معاشرے میں نجی ملکیت کے بجائے اجتماعی ملکیت قایم تھی۔

اجتماعی رویہ .... زندگی اور اس سے متعلق امور کے سلسلے میں، کسی انسانی گروہ کی اجتماعی فکر کے عملی طرزِ اظہار کو اجتماعی رویہ کہتے ہیں۔

اجماعِ سلف .... ماضی میں علماء، مجتہدین کا کسی امر پر شرعی اعتبار سے متفق ہونا اجماعِ سلف کہلاتا ہے۔

اجماعِ صحابہ .... اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی امر پر شرعی طور پر متفق ہونا اجماع صحابہ کہلاتا ہے۔

اجتہاد .... شرعی دلائل کی روشنی میں اہلِ اجتہاد کا احکامِ شرع جاننے کے لیے اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو پورے طور پر صرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

استِصلاح .... فقیہ کا مصالحِ مرسلہ کی بنیاد پر کسی چیز کا شرعی حکم بیان کرنا

استصلاح ہے۔

استقرار .... دیکھیے استنتاج۔

استنتاج .... سائنسی طریقہ میں مفروضہ کو مشاہدہ اور تجربہ سے گزار کر کسی حقیقت کے بارے میں نتیجہ نکالنا استنتاج کہلاتا ہے۔ کوئی تجرباتی مشاہدہ یا نظریاتی استقرار اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا جب تک اسے دہرا کر نہ دیکھا جا سکے۔

الیکٹرونک ایج .... الیکٹرونک ایج بمعنی الیکٹرونی عہد۔ الیکٹرونکس ایک فن ہے جس میں کنٹرول، مواصلات اور کمپیوٹنگ کے آلہ جات کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ عمل سیمی کنڈکٹروں، تھرمیونک وال ووں، ریزسٹروں، کپیسٹروں اور انڈکٹروں سے بھرے سرکٹ میں الیکٹرون کی حرکت پر منحصر ہے۔ چونکہ اس زمانے میں ان آلہ جات کا استعمال ہمہ گیر صورت اختیار کر گیا ہے اس لیے اس عہد کو الیکٹرونک عہد کہتے ہیں۔

الیکٹرونک کمبل .... الیکٹرونک بلینکٹ۔ زمین کے ہر طرف مواصلاتی سیاروں کے اس نظام کو الیکٹرونک کمبل کہتے ہیں۔ جس سے زمین کا ہر گوشہ ہمہ وقت مربوط ہوتا ہے۔

انفرادی رویہ .... زندگی اور اس سے متعلق امور کے سلسلے میں، کسی فرد کی انفرادی فکر کے عملی طرزِ اظہار کو انفرادی رویہ کہتے ہیں۔

الیف فلوئنٹ سوسائٹی .... بمعنی خوشحال معاشرہ۔ وہ معاشرہ الیف فلوئنٹ سوسائٹی کہلاتا ہے جہاں ایک عام آدمی ایک سے زیادہ ایسی اشیاء فراہم کرنے کی قوت رکھتا ہو جو سامانِ تعیش میں شمار ہوتی ہوں۔ اس اصطلاح کو امریکی ماہر معاشیات پروفیسر جے کے گالبریتھ

نے دی ایف فلوئنٹ سوسائٹی میں جو ۱۹۴۰ء کی دہائی میں شائع ہوئی پہلی بار رواج دیا۔

ب

بین المللی تجارتی ادارے...... انھیں ملٹی نیشنل کارپوریشنز یا ایم این سیز (Multinational Corporations or MNC's) بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسی بڑی بین الاقوامی کمپنیاں ہیں جن کی پیداواری یونٹیں ایک سے زیادہ ملکوں میں قایم ہیں۔ ان میں بعض کمپنیوں کی سالانہ آمدنی بعض اوسط ملکوں کی آمدنی سے بھی زیادہ ہے۔ مشہور ایم این سیز ہیں ـــــ ایکزون، جنرل موٹرس، رائل ڈچ شیل، فورڈ موٹر، ٹیکساکو، موبل، برٹش پیٹرولیم، آئی بی ایم، جنرل الیکٹرک وغیرہم۔

ت

تالیفاتِ عناصر متضاد...... بمعنی (Rival Syntheses) متضاد و متخالف عناصر کے دو مجموعوں کا الگ اپنی جگہ مل کر نئی شکل یا شکلیں بنانا تالیفاتِ عناصر متضاد کہلاتا ہے۔ مثلاً لبرل ڈیموکریٹک نظریہ اور مارکسی نظریہ کا اپنی اپنی جگہ نظامِ ریاست وضع کرنا۔

تجربہ...... تجربہ سائنسی طریقہ میں وہ شعوری عمل ہے جس کے ذریعہ کسی صورتحال کا دوبارہ مشاہدہ کیا جائے۔

تحقیقِ مناط...... فقہ اسلامی میں متعین کردہ علت کو مقیس میں تلاش کرنا اور پائے جانے پر مقیس علیہ کا حکم اس پر لگانا تحقیق مناط کہلاتا ہے۔

تخریج مناط...... کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکورہ

معاملہ کے حکم کی علت کو تلاش کرنا تخریج مناط کہلاتا ہے۔

تسابق برائے ارتقاء...... عمرانیات کے وہ نظریات جن کے مطابق معاشرتی زندگی اور معاشی کاموں کا بنیادی اصول تسابق یا مسابقت ہے۔ یہ وہ نظریات ہیں جنھیں ماہرین معاشیات آدم اسمتھ (۱۷۲۳-۹۰)، مالتھس (۱۷۶۶-۱۸۳۴)، ریکارڈو (۱۷۷۲-۱۸۲۳) وغیرہم نے پیش کیے۔

تصورِ قومیت...... کسی اجتماعیت کا وہ تصور جس کی بنیاد تاریخی تجربہ یا روایت، جغرافیائی سرحدوں، زبان، نسل، ثقافت، حکومت یا خود مختاری کا اشتراک ہو تصور قومیت کہلاتا ہے۔

تنقیح مناط...... فقہ اسلامی کے تحت مقیس علیہ کے جو اوصاف علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو الگ کرکے جو وصفِ علت ہو اس کو متعین کرنا تنقیح مناط کہلاتا ہے۔

تھرموڈائنامکس کے قوانین...... تھرموڈائنامکس ان قوانین کے مطالعہ کا نام ہے جو (۱) قوت کی ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونے (۲) حرارت کے بہنے کی سمت (۳) اور اس بات کو کہ کسی کام کو کرنے کے لیے توانائی کیسے مہیا کی جاسکتی ہے — کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ قوانین چار ہیں۔ (۱) تھرموڈائنامکس کا پہلا قانون (۲) دوسرا قانون (۳) تیسرا قانون اور (۴) تھرموڈائنامکس کا صفری قانون۔

تیزابی بارش...... ماحولیات کی نمی کے سلفر ڈائی آکسائیڈ — جو صنعتی چمنیوں سے نکلتا ہے اور نائٹروجن آکسائیڈ — جو کاروں اور گاڑیوں سے خارج ہوتا ہے، کے تعامل سے ہونے والی تیزاب کی بارش کو تیزابی بارش کہتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ماحولیات کی آلودگی کا یہ

ایک بڑا سبب ہے۔

ح

حیوی عوامل..... وہ عوامل جو ذی روح ہیں اور ماحولیات کے توازن کے برقرار رکھنے میں کردار ادا کرتے ہیں، حیوی عوامل کہلاتے ہیں۔ یہ ذی روح عوامل ــــ مسابقت کرنے والے، مردار کھانے والے، دوسروں کے وجود پر منحصر رہنے والے، شکار کرنے والے یا باہم متعامل ہونے والے بھی ہو سکتے ہیں۔

خ

خاتمہ کی بحث..... خاتمہ (Endism) یا تاریخ کا خاتمہ (End of History) کی وہ بحث جو ۱۹۹۰ء کے اوائل میں شروع ہوئی۔ امریکہ میں اس بحث کا اہم ترین مقالہ فوکویاما (Fukuyama) نے تحریر کیا۔

ڈ

ڈارونیت..... ارتقا کا وہ نظریہ جسے چارلس ڈارون (۱۸۰۹-۸۲) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "آن دی اوریجن آف اسپیشیز" The Origin of Species مطبوعہ ۱۸۵۹ء میں پیش کیا۔ جس کے مطابق معاصر انواع، سادہ پیشرو نسلوں سے، فطری انتخاب کے عمل کے تحت، ان صلاحیتوں کی بنیاد پر ــــ جو ان میں پائی جاتی تھیں ــــ ارتقا پذیر ہوئے ہیں۔ اب مینڈیل (Mendel) کی مزید تحقیقات (۱۹۰۰ء) نو ڈارونیت (Neo-Darwinism) کے نام سے مشہور ہیں۔

ر

روئے زمین پر نسل انسانی کی بقا ...... وہ امور جن سے روئے زمین پر نسل انسانی کی بقا ممکن ہو روئے زمین پر انسانی بقا، کہلاتے ہیں۔ ان کا فقدان نسل انسانی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

روئے زمین پر نسل انسانی کی فلاح ...... وہ امور جن سے روئے زمین پر نسل انسانی کی حیات میں فلاح ممکن ہو اور جن کی کمی یا جن کا خاتمہ نسل انسانی کی حیاتِ ارضی کو ناقابلِ بیان حد تک تکلیف دہ بنا سکتے ہوں۔

س

سائنسی طریقۂ کار .... دیکھئے سائنسی نقطۂ نظر۔

سائنسی نقطۂ نظر .... سائنسی طریقۂ کار یا نقطۂ نظر، نظریات و مشاہدات کے ارتقاپذیر مجموعہ کو کہتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کا سارا عمل اسی طریقۂ کار سے انجام دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ یا نقطۂ نظر کے تحت، بحث کا آغاز یوں کیا جاتا ہے کہ ــــ اگر فلاں خیال مان لیا جائے تو ایسا یا ویسا ہوگا۔ اب اگر ایسا یا ویسا کوئی تیسرا واقعہ دیکھا گیا تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ خیال اچھا ہے۔ اگر ایسا یا ویسا نہیں ہوا تو اس خیال کے متصور کرنے والے کو مزید غور کرنا چاہیئے۔ اس طرح مفروضات اور خیالوں کو سخت امتحانوں اور آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے۔ یہ سارا عمل سائنسی طریقہ کار کہلاتا ہے۔

ع

علم تاریخ .... علم تاریخ وہ علم ہے جو نوع انسانی کی حیات (بطور خاص ارضی) کی تبدیلیوں کا مطالعہ کرے۔

علم حیاتیات ..... جاندار یا ذوی ارواح کا وہ مطالعہ جو اس کی بناوٹ (عام یا خورد بینی)، عمل، تخلیق اور ارتقاء، درجہ بندی، تعلق باہم اور تقسیم کو زیر بحث لائے علم حیاتیات کہلاتا ہے۔

علم طبقات الارض ..... علم طبقات الارض وہ علم ہے جو زمین کی تخلیق، اس کی بناوٹ اور ترکیب سے بحث کرتا ہے۔ یہ علم دو شعبوں پر مشتمل ہے: (۱) تاریخی طبقات الارض کا علم اور (۲) طبعی طبقات الارض کا علم۔

علم طبیعات ..... اس قانون کا مطالعہ علم طبیعات کہلاتا ہے جو کائنات کی بناوٹ میں مادہ اور طاقت جو اس میں پائے جاتے ہیں، کے تعلق سے بحث کرتا ہے۔

علم عمرانیات ....

علم کیمیا ..... وہ علم جو عناصر اور عناصر سے بننے والے مرکبات سے بحث کرتا ہے علم کیمیا کہلاتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر ان اثرات سے بحث کرتا ہے جو جوہر (ایٹم) میں بیرونی الیکٹرون پر انحصار کرتے ہیں۔

ف

فطری توازن ..... حیاتیاتی طبقات اور طبعی ماحول کے درمیان قایم توازن کو فطری توازن کہتے ہیں۔ اسی فطری توازن کے سبب زمین اور اس کے ماحول کا نظام چل رہا ہے۔ اس توازن میں بگاڑ انسانی حیات کی بقا، اور اس کی فلاح (ارضی) کو ختم کر سکتا ہے۔

فنونِ لطیفہ ..... ان فنون کو فنونِ لطیفہ کہا جاتا ہے جو بطورِ خاص جمالیات کو متاثر کریں مثلاً شاعری، موسیقی، مصوری، سنگ تراشی (بت تراشی)، فن تعمیر وغیرہ۔

فنون لطیفہ کی کلیت کا نظریہ ...... دیکھئے نظریہ، فنون لطیفہ کی کلیت کا۔

ک

کمپیوٹر ایج ...... کمپیوٹر ایک الیکٹرونک آلہ ہے جو معلومات کو ان ہدایات کے مطابق جسے پروگرام کہتے ہیں ــــ زیرِ عمل لاتا ہے۔ سب سے زیادہ ہمہ جہت قسم کا کمپیوٹر ڈی جی ٹل کمپیوٹر ہے۔ اے نے لاگ کمپیوٹر کا استعمال سائنسی تجربوں کے لیے کیا جاتا ہے۔ تیسری قسم کا کمپیوٹر ہیب رائڈ کمپیوٹر کہلاتا ہے۔ معاصر عہد میں زندگی کے تمام شعبوں میں ان کمپیوٹروں کا استعمال اس قدر وسیع الاطراف ہوگیا ہے کہ اس عہد کو کمپیوٹر ایج یعنی کمپیوٹر عہد کہتے ہیں۔

ل

لاحیوی عوامل ...... ایسا کوئی بھی غیر ذی روح یا بے جان عامل جو لاحیوی ماحول کو برقرار رکھے لاحیوی عوامل میں شمار ہوتا ہے۔ مثلاً وہ پہلو جو موسم، طبقاتِ ارض، اور ماحول سے متعلق ہیں۔

لبرل ڈیماکریٹک اصول ...... سیاسیات، نظمِ سیاست اور معاشرہ کا وہ اصول جو لبرل فلسفہ پر مبنی ہو جس کے مطابق بنیادی اور ترقی پسندانہ (لادینی) اصلاحات کو رو بہ عمل لایا جاتا ہے لبرل ڈیماکریٹک اصول کہلاتا ہے۔ اس اصول میں نظریۂ اشتراکیت یا مارکسیت کے برخلاف سرکاری اجارہ داری (State Monopoly) کو رد کیا جاتا ہے۔

م

مارکسیت ...... کارل مارکس (۸۳ - ۱۸۱۸) اور اینگلز (۹۵ - ۱۸۲۰) کے عمرانی نظریات

جس کے ذیل میں تاریخی مادیت کا نظریہ، جدلیاتی مادیت کا نظریہ آتے ہیں۔ مارکس نے ۱۸۴۸ء میں کمیونسٹ مینیفیسٹو (Commu-nist Manifesto) اور ۱۸۶۷ء میں داس کیپیٹال (Das Kapital) لکھا۔ مارکس کے مطابق دو متخالف قوتوں — تھیسس اور اینٹی تھیسس — کے تصادم کا نام تاریخ ہے۔ مارکس کے مطابق تاریخ کے مسائل حل کرنے کی صورت ایک تیسری چیز — سن تھیسس کا ظہور ہے۔ مارکس کے مطابق دنیا کی حالت (خرابی) کا سبب سرمایہ داری جس کا مقصد نجی منافع حاصل کرنا ہے، اور مزدور — جو استحصال سے برد آزمائی کرتا ہے، کے جُداگانہ وجود ہیں۔ مارکس نے ایک غیر طبقاتی معاشرہ کا تصوّر پیش کیا۔

مشاہدہ .... سائنسی طریقہ میں کسی وجود یا عمل کا دیکھنا خواہ اتفاقی ہو یا بطور تجربہ، مشاہدہ کہلاتا ہے۔

مفروضہ .... سائنسی طریقہ میں کسی عمل یا وجود کا مشاہدہ سے قبل تصور مفروضہ کہلاتا ہے۔

میکانکس .... اس علم کو میکانکس کہتے ہیں جو مادہ اور اس پر عمل کرنے والی قوتوں کے تعامل سے بحث کرتا ہے۔ اس کے تین شعبے ہیں۔ (۱) اسٹیٹکس (۲) ڈائنامکس اور (۳) کائنامیٹکس۔

میکانیکل اِک وِے لینٹ آف ہیٹ ..... وہ قوت جو ایک یونٹ حرارت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اس کا نشان J ہے۔ J کی قدر 4.1868×10^7 ارگس فی کیلوری ہے۔ اس کی دریافت جول (Joule) ۱۸۱۸-۱۸۸۹ نے کی تھی۔

میکانکی تضامن ... (Mechanical Solidarity) یہ ایک فرانسیسی ماہر نفسیات و سیاسیات کی اصطلاح ہے جس کے مطابق ایک چھوٹا گروہ بعض آلہ جات اور

تدابیر کے ذریعہ بہت زیادہ بڑے گروہ کو نہ صرف متاثر کرتا ہے بلکہ کلی طور پر اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔

ن

نشاۃ الثانیہ...... نئی بیداری یا (The Ranaissanće)۔ عام طور پر اس اصطلاح کا اطلاق یورپ میں ۱۵ اویں صدی عیسوی میں واقع ہونے والے اس سلسلۂ واقعات پر ہوتا ہے جس میں قدیم فکر کا احیار ہوا۔ لیکن دراصل یہ دین (مسیحی) کے خلاف الحاد و بے دینی کی ایک یہودی سازش تھی جس نے زندگی کے جملہ شعبوں ــــ فکری، سائنسی، معاشی، سیاسی، فنی وغیرہم ــــ کو متاثر کیا۔ جدید و معاصر خدا بے زار مغربی تہذیب کی اساس اسی نظریہ پر ہے۔ ان کے پیچھے یہودیوں کا پرداختہ وہ نظریہ کارفرما ہے جسے ہیومینزم (Humanism) کہتے ہیں۔ ۱۵ ویں صدی کے بعد یورپ کی تاریخ اور پھر اس کے بعد ساری دنیا میں ان کے زیر اثر اصلاح مذہب (؟) صنعتی و دانشورانہ انقلابات، اور جمہوریت اور سیکولرزم کے قیام کی جدوجہد اسی فکر کے مظاہر ہیں۔

نظریہ آرکیسٹریشن.... آرکیسٹرا سے مراد موسیقی کے آلہ جات کے بجانے والوں کا مجموعہ ہے۔ یہ آلہ جات عموماً تانت یا تار کے باجے یعنی اسٹرنگ، وُڈ وِنڈس، براس اور پرکشن پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آرکیسٹریشن کسی آرکیسٹرا کے آلہ جات کے کام کو متناسب کرنے کا فن ہے۔ یہ آلہ جات کے استعمال سے مختلف ایک چیز ہے۔ یعنی آرکیسٹریشن انسٹرومینٹیشن سے الگ ہوتا ہے۔ اس کے نظریے ۱۷ اویں صدی عیسوی میں ارتقا پذیر ہوئے۔ اس سلسلے کے مشہور نام درج ذیل ہیں: بی تھووین (۱۸۲۷-۱۷۷۰)، مینڈیل سون (۴۷-۱۸۰۹)، شوماں (۵۶-۱۸۱۰)، شوبرٹ (۱۸۲۸-۱۷۹۷)،

برہمس (۱۸۹۷-۱۸۳۳)، فرینک (۱۸۹۰-۱۸۲۲)، ماسے نے (۱۹۱۲-۱۸۴۲)، ماؤسورگسکی (۱۸۸۱-۱۸۳۹)، روبنس ٹین ۱۸۲۹-۱۸۹۴، چائکووسکی (۱۸۹۳-۱۸۴۰) وغیرہم۔

نظریۂ برق...... برق بعض مخصوص مادوں کی وہ خاصیت ہے، جو انھیں، مستقل دباؤ کے ہٹا دیئے جانے کے بعد اپنی اصلی ابعاد کی طرف لوٹنے کے قابل بناتی ہے۔ عام طور پر جب ایک تار پر دباؤ کا استعمال ہوتا ہے، تو دباؤ ایک تناسب سے بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک نقطہ جسے تناسبیت کی حد کہتے ہیں آجاتا ہے۔ اس نظریہ کو مشہور برطانوی سائنسداں (Hooke 1635-1703) نے دریافت کیا تھا۔

نظریہ برقی قوت.... یہ برقی قوت سے متعلق وہ نظریات ہیں جنھیں ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدی میں مختلف لوگوں نے دریافت کیے۔ مثلاً فرینکلن ۱۷۰۶-۱۷۹۰، ڈوفائے (۱۶۹۸-۱۷۳۹)، اگرے (متوفی ۱۷۳۶)، گالوانی (۱۷۹۸-۱۷۳۷) وولٹا (۱۸۲۷-۱۷۴۵) وغیرہم۔

نظریۂ بقا، اہل ترکا.... اگر ایسے انواع، جو مختلف خصائص رکھتے ہوں، کے افراد کے مابین ان کے فطری ماحول میں، بقا کے لیے سخت کشمکش ہو تو وہ افراد جو اپنے مخصوص ماحول کے لیے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ متناسب ہوتے ہیں کمال عمر تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ افراد اگلی نسل پیدا کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور ان کی خصوصیتیں بعد کی نسلوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ چارلس ڈارون سے قبل دی دے رو (Diderot 1713-84) نے اس نظریہ کو پیش کیا تھا۔

نظریہ تفریق انواع.... انسانوں یا جانداروں کی کسی نسل کے افراد ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف ان کے اندرونی ساخت میں پایا جاتا ہے۔ یہ تفریق ان کے ساخت، رنگ اور عادات وافعال

میں پائی جاتی ہیں ۔ ڈارون کے مطابق یہ خصائص بعد کی نسلوں میں منتقل ہوتے ہیں ۔ چارلس ڈارون سے قبل ان کے دادا ایراسمس ڈارون (۱۸۰۲-۱۷۳۱) ، دی دے رو (۸۴-۱۷۱۳) ، ماؤپرٹوئس (۱۷۵۹-۱۶۹۸) ، لب نِٹز (۱۷۱۶-۱۶۴۶) اور بیکن (۱۶۲۶-۱۵۶۱) نے اس قسم کے نظریات پیش کیے تھے ۔

نظریۂ انتخاب ماحول ..... کسی مخصوص نوع کا ماحول طویل مدت میں ایک حالت میں برقرار نہیں رہتا اور بدل جاتا ہے ۔ ایسی حالت میں ان خصائص کو جو اس بدلے ہوئے ماحول میں اس نوع کے لیے نسبتاً زیادہ مناسب ہوتے ہیں وہ نوع اختیار کرلیتی ہے ۔ یہی نظریہ اختیار و انتخاب ماحول کہلاتا ہے ۔ کسی ذی روح کا قابلِ توریث اختیارِ ماحول جو فطری طور پر ہو بالآخر اس نظریہ کے مطابق نئے انواع کی پیدائش کا باعث بنتا ہے ۔ ڈارون نے اسے شرح و بسط سے پیش کیا ۔

نظریۂ تقویم طبقات الارض .... اس نظریہ کے تحت سطح زمین فطری ارتقائی اسباب سے وجود پذیر ہوئی ہے کسی حادثے کے نتیجے میں نہیں ۔ اس سلسلے کے نظریات ہٹن نے ۱۷۸۵ میں 'اصولیاتِ زمین' ، اور سر چارلس لائل نے ۱۸۳۳ میں 'اصولیاتِ طبقاتِ ارض' نامی کتابوں میں پیش کیے ۔

نظریۂ تنازع للبقا ..... اس نظریہ کے مطابق فطرت میں تمام ذی روح کے انواع کے مابین حیات اور بقار کے لیے زبردست کشمکش جاری ہے ۔ لہٰذا تمام پیدا شدہ انواع کمالِ عمر تک نہیں پہنچ پاتے ۔

نظریۂ جدید، قوت کا ... تھرموڈائنامکس کے قوانین کی دریافت سے قبل ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی کے نظریۂ قوت ، قوت کا نظریۂ جدید کہلاتا ہے ۔

نظریۂ جدید، مادہ کا ... تھرموڈائنامکس کے قوانین کی دریافت سے قبل ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی کے نظریۂ قوت مادہ کا نظریۂ جدید کہلاتا ہے ۔

نظریۂ ریاست ...... اجتماعیت کے وہ سارے نظریات جو نظم ریاست پر منتج ہوتے ہیں نظریاتِ ریاست کہلاتے ہیں۔ ان میں مشہور نظریات درج ذیل افراد کے ہیں : ارسطو (ق م ۳۲۲ - ۳۸۴) ، افلاطون (ق م ۴۲۷ - ۳۴۷) ، میکیاولی (۱۵۲۷ - ۱۴۶۷) ، گروٹیئس (۱۶۴۵ - ۱۵۸۳) ، ہابیز (۱۶۷۹ - ۱۵۸۸) ، لاک (۱۷۰۴ - ۱۶۳۲) ، ہیوم (۱۷۱۱ - ۱۷۷۶) ، والیٹر (۱۷۷۸ - ۱۶۹۴) ، مانٹیسکو (۱۷۵۵ - ۱۶۸۹) ، روسو (۱۷۷۸ - ۱۷۱۲) ، فشتے (۱۸۱۴ - ۱۷۶۲) ، کانٹ (۱۸۰۴ - ۱۷۲۴) ، ہیگل (۱۸۳۱ - ۱۷۷۰) ، ساس سیموں (۱۸۲۵ - ۱۷۶۰) ، بینتھم (۱۷۴۸ - ۱۸۳۲) ، مارکس (۱۸۸۳ - ۱۸۱۸) ، اور اینگلز (۱۸۹۵ - ۱۸۲۰) ۔

نظریہ صیانتِ قوت کا ...... اس نظریہ کے مطابق فطرت میں موجود تمام قوت نہ بڑھ سکتی ہے اور نہ گھٹ سکتی ہے ۔ اس نظریہ کے دریافت میں درج ذیل افراد نے نمایاں کردار ادا کیا ہے ؛ وان ہیلم ہولٹز (۹۴ - ۱۸۲۱) ، ہرٹز (۹۵ - ۱۸۵۷) اس صدی میں میکس ویل (۹ - ۱۸۳۱) اور آئین اسٹائن (۱۹۵۵ - ۱۸۷۹) ۔

نظریۂ مادہ ...... مادہ سے متعلق قدیم سے چلے آنے والے اور ہر زمانے میں پیش ہونے والے نظریات نظریات مادہ کہلاتے ہیں ۔ قدیم کے دو نظریات قابلِ ذکر ہیں : (۱) عناصر اربعہ کا نظریہ اور (۲) نظریۂ جوہریت (Atomism) نظریات مادہ میں زبردست تبدیلی نیوٹن (۱۷۲۷ - ۱۶۴۳) کے بعد آئی ۔ اس سلسلے کے مشہور نام ڈالٹن (۱۸۴۴ - ۱۷۶۶) ، ٹامسن (۱۹۴۰ - ۱۸۵۶) ، رڈر فورڈ (۱۹۳۷ - ۱۸۷۱) ، بور (۱۹۶۲ - ۱۸۸۵) ہیں ۔

نظریۂ طاقت و قوت .... اسے نظریۂ پوٹنشیل انرجی بھی کہتے ہیں ۔ یہ نظریہ کسی جسم یا نظام میں جمع شدہ قوت سے بحث کرتا ہے ۔

نظریہ طاقتِ حرکیہ...... اسے نظریہ کائی نے ٹِک انرجی بھی کہتے ہیں۔ یہ نظریہ بنیادی طور پر حرکت سے پیدا ہونے والی قوت سے بحث کرتا ہے۔

نظریۂ فنِ تعمیر......... یہاں نظریات فنِ تعمیر سے مراد نو کلاسیکی اور اس کے بعد گوتھ اور رومانی طرزوں سے مل کر بننے والے نظریات ہیں جو ۱۹ ویں صدی میں عام ہوئے۔ اس عہد کے مشہور ماہرینِ فن درج ذیل ہیں؛ رچرڈ (۱۹۰۹ - ۱۸۴۷)، وہائٹ (۱۹۰۶-۱۸۵۳)، لوئی سلی وان (۱۹۲۴-۱۸۵۶) وغیرہم۔

نظریہ فنونِ لطیفہ کی کلیت کا....... رچرڈ ویگنر (۸۳-۱۸۱۳) کا مشہور نظریہ جس میں اس نے موسیقی۔ ڈرامہ کو تمام اصنافِ فنونِ لطیفہ —— موسیقی، ادب، مصوری —— کا مجموعہ قرار دیا۔ اس کا اوپس (Opus) دی رنگ آف دی نی بے لنگس (The Ring of the Nibelungs) اس کا نقطۂ عروج ہے۔ اس شاہکار سے قبل ویگنر نے اوپیرا کو رفتہ رفتہ تبدیل کیا۔ اس کے سنگِ میل ہیں؛ Rienzi, The Flying Dutchman, Tanhauser, Lohengrim, اس نے ایک موسیقی کا خیال Leitomotive, جیسے کسی شخص، صورتحال، خیال سے مربوط کیا جائے —— کو متعارف کیا۔ دی رنگ چار اوپیرا سے ترتیب دیا گیا تھا۔ ویگنر کا یہی نظریہ بعد میں نظریہ گرینڈ اوپیرا کا سبب بنا۔ گرینڈ اوپیرا سے مراد ہے ایسا ڈرامہ جس میں اظہار موسیقی کے ذریعہ ہو۔ اس میں سارا متن گایا جاتا ہے۔ ویگنر نے اس میں بصر اور صوت کو باہم مربوط کر دیا تھا۔

نظریہ کیمیائی ردِعمل کی حرارت کا....... کیمیاوی ردِعمل کے ساتھ ساتھ حرارت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے جسے بطور حرارت (مثلاً آگ میں) یا میکانیکی عمل (مثلاً انفجار یا راکٹ داغنے میں) یا برقی رو پیدا کرنے میں استعمال

کیا جا سکتا ہے۔

نظریہ گرینڈ اوپیرا..... دیکھئے نظریہ فنونِ لطیفہ کی کلیت کا

نظریہ مادہ...... دیکھیے نظریہ جدید، مادہ کا۔

نظریاتِ ماحول..... اس سے مراد وہ تمام نظریات ہیں جو ماحول سے متعلق ڈاروِن سے قبل مختلف زمانوں میں ماہرین نے پیش کیے۔ مثلاً ارسطو (ق م ۳۲۲-۳۸۴)، تھیلیس (۵۴۸-۶۲۴ ق م)، ڈیموکریٹس (تیسری صدی ق م)، اگسٹائن (۴۳۰-۳۵۴ء)، برونو (۱۶۰۰-۱۵۴۸)، ڈیکارتے (۱۶۵۰-۱۵۹۶)، لائب نٹز (۱۷۱۶-۱۶۴۶)، ماؤپرٹوئس (۱۷۵۹-۱۶۹۸) وغیرہم نے۔

نظریہ مصوّری..... یہاں اس سے مراد مصوری کے وہ نظریات ہیں جو نوکلاسیکی، رومانٹی سیزم، ریالیزم، امپریشن ازم، پوسٹ امپریشن ازم یعنی ایکس پریشن ازم کے نام سے مشہور ہیں۔

نظریہ معاشرہ..... اس سے مراد معاشرے سے متعلق وہ نظریات ہیں جو خواہ قدیم سے تعلق رکھتے ہوں یا جدید سے۔ قدیم کے نظریات معاشرہ میں افلاطون اور ارسطو کے ہیں اور جدید نظریات میں وہ نظریات شمار ہوتے ہیں جو نشاۃ الثانیہ کے بعد مغرب میں ظہور پذیر ہوئے جن کی موجد ہیومنزم تھی۔ اس سلسلے کے مشہور افراد درج ذیل ہیں: کامٹے (۱۸۵۷-۱۷۹۸)، ہربرٹ اسپنسر (۱۸۲۰-۱۹۰۲)، وغیرہم۔

نظریہ نشوئی فطری انتخاب کا..... اسے Evolutionary Natural Selection بھی کہتے ہیں۔ اس نظریہ کو ترقی یافتہ شکل میں چارلس ڈاروِن نے پیش کیا۔ ڈاروِن سے قبل ماؤپرٹوئس (۱۷۵۹-۱۶۹۸)،

دی دے رو اور خود ڈارون کے دادا ایراسمس ڈارون نے اپنے طور پر پیش کیا۔ اس سلسلے میں ڑے دیرے نس (۱۸۳۷-۱۷۷۶) کی تحقیقی کاوشیں قابلِ ذکر ہیں۔

نظریہ وحدت ذوی ارواح ...... اس نظریہ کے تحت تمام ذی روح، عناصر سے ارتقائی طور پر وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد میکانسٹک نظریہ ہے۔ اس سلسلہ کے مشہور ماہرین بفون (۱۷۸۸-۱۷۰۷)، لمارک (۱۸۲۹-۱۷۴۴)، ہٹن (۹۷-۱۷۲۶)، ولیم اسمتھ (۱۸۳۹-۱۷۶۰) وغیرہم ہیں۔

نظریہ وحدانی طریقۂ وقت ...... یہ وہ نظریات ہیں جن سے زمین کی تخلیق کے بارے میں رائے قایم کی گئی ہے۔ ۱۷۹۶ میں لیپلیس نے نیولر ہائپوتھیسس پیش کیا۔ اس سلسلے میں ۱۹۰۰ میں پروفیسر چمبرلن اور پروفیسر ماؤلٹن نے پلے نی ٹیسی مل ہائپوتھیسس پیش کیا۔

و

واحد حکومت ...... نشاۃ الثانیہ اور صیہونزم کی یہودی تحریکات کے نتیجے میں واحد حکومت کا تصور معرض وجود میں آیا۔ یہ وہ نظریات ہیں جن کے سنگِ میل کانگریس آف ویسٹ فلیا (۱۶۴۸)، کانگریس آف ویینا (۱۵-۱۸۱۴)، معاہدۂ ورسائی (۲۰-۱۹۱۹) اور قیام لیگ آف نیشنز اور معاہدہ یالٹا اور قیام اقوامِ متحدہ (۱۹۴۵) ہیں۔ ۱۹۱۷ کے روسی انقلاب کے بعد اس کے دو ماڈل ابھر کر سامنے آئے۔ مغرب کی لبرل ڈیماکریسی اور روس کی مارکسی حکومت۔ ۱۹۹۰ کے بعد صرف مغرب لبرل ڈیماکریسی کا وجود باقی رہ گیا جس کا ہراول دستہ اقوام متحدہ ہے۔ ان نظریات کی تشکیل میں مشہور

نام درج ذیل ہیں : گروٹیس (د ۱۶۶۵ - ۱۵۸۳) :زونخے (۱۶۶۰-۱۵۹۰)، سینٹ سیماں (۱۸۲۵ - ۱۷۶۰) بینتھم، ہیگل، مارکس وغیرہم۔

لیگ آف نیشنز ...... جنگِ عظیم اوّل (۱۸-۱۹۱۴) کے بعد معاہدۂ ورسائی کے تحت وجود میں آئی جو مجلسِ اقوامِ متحدہ کا پیش خیمہ تھا۔

مجلس اقوامِ متحدہ ...... جنگِ عظیم دوم (۴۵-۱۹۳۹) کے بعد معاہدۂ یالٹا کے نتیجے میں وجود میں آئی. اس کے چھ ذیلی شعبے ہیں۔ جنرل اسمبلی، سیکورٹی کاونسل، اکونومک اینڈ سوشل کاونسل، ٹرسٹی شپ کاونسل، انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس، اور سکرٹریٹ۔ اشتراکیت کے زوال کے بعد اس کا رُخ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت عالمی واحد حکومت قایم کرنے کی طرف ہے۔ اور اقوامِ متحدہ اب ریاستوں کی ریاست کا کردار ادا کر رہی ہے۔

وگیزری تالیفِ عناصر ...... دیکھیے: فنونِ لطیفہ کی کلیت کا۔

ی

یورپی تاریخ کے ادوار ...... عہدِ وسطیٰ (۱۵۰۰ - ۴۷۶ عیسوی) قومی ثقافتوں کی ترقی کا عہد (۱۷۸۹ - ۱۵۰۰)، فرانسیسی انقلاب کا عہد (بین الاقوامی ثقافت کے آغاز کا عہد) (۱۹۱۴ - ۱۷۸۹)، مابعد عظیم عہد (۶ - ۱۹۱۴) ....

یورپی مشترکہ منڈی ...... دیکھیے یوروپی معاشی معاشرہ۔

یوروپی معاشی معاشرہ ...... اس کا ابتدائی نام یوروپی مشترکہ منڈی تھا۔ یہ معاشرہ معاہدہ روم کے نتیجے میں ۵۸ - ۱۹۵۷ میں وجود

میں آیا۔ اس کے ابتدائی ارکان فرانس، جرمنی (تب مغربی جرمنی)، اٹلی، بلجیم، نیدرلینڈس اور لکسمبرگ تھے۔ ۱۹۷۲ میں برطانیہ، ڈنمارک اور جمہوریہ آئرلینڈ اس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۷۶ میں یونان اور ۱۹۷۷ میں پرتگال کے داخلے کی کارروائی شروع ہوئی۔ ۱۹۹۲ کے بعد اس کی شکل اور دائرہ کار میں زبردست انقلاب آنے والا ہے۔

آیاتِ قرآنی

احادیث رسولؐ

اشاریہ